سلسلہ : رسائلِ فتاوٰی رضویہ

جلد: سترہویں

رسالہ نمبر 1

کِفْلُ الفقیہِ الفاہِم ۱۳۲۴ھ
فی احکامِ قِرطاسِ الدّراہمِ

کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصہ

پیشکش: مجلسِ آئی ٹی (دعوتِ اسلامی)

رسالہ

کِفْلُ الفقیہِ الفاہِم فی احکامِ قِرطاسِ الدّراہِمِ ۱۳۲۴ھ

(کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصہ)

مسئلہ ۲۱۷:

ما قولکم دام طولکم فی ھذا القرطاس المسکوك المسمی بالنوط والسؤال عنه فی مواضع **الاول** ھل ھو مال ام سند من قبیل الصک، **الثانی** ھل تجب فیه الزکٰوة اذا بلغ نصابا فاضلا وحال علیه الحول ام لا، **الثالث** ھل یصح مھرا، **الرابع** ھل یجب القطع بسرقته من حرز، **الخامس** ھل یضمن بالاتلاف بمثله او بالدراھم، **السادس** ھل یجوز بیعه بدراھم او دنانیر او فلوس، **السابع** اذا استبدل	آپ کا کیا ارشاد ہے آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں، اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں، [1]**اول** کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند، [2]**دوم** جب وہ بقدر نصاب ہوا اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، [3]**سوم** کیا اسے مہر مقرر سکتے ہیں، [4]**چہارم** اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں، [5]**پنجم** اگر اسے کوئی تلف کردے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا روپے، [6]**ششم** کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے، [7]**ہفتم** اگر مثلاً کسی کپڑے سے

بثوب مثلا یکون مقایضة او بیعا مطلقًا، **الثامن** ھل یجوز اقراضه وان جاز فیقضی بالمثل او بالدراھم، **التاسع** ھل یجوز بیعه بدراھم نسیئة الی اجل معلوم، **العاشر** ھل یجوز السلم فیه بان تعطی الدراھم علٰی نوط معلوم نوعا وصفة یؤدی بعد شھر مثلًا **الحادی عشر** ھل یجوز بیعه بازید مما کتب فیه من عدد الربابی کان یباع نوط عشرة باثنی عشر او عشرین او بانقص منه کذلک، **الثانی عشر** ان جاز ھذا فھل یجوز اذا اراد زید استقراض عشرة ربابی من عمرو ان یقول عمرو لادراھم عندی ولکن ابیعك نوط عشرة باثنتی عشرة ربیة منجمة الٰی سنة تؤدی کل شھر ربیة وھل ینھی عن ذلك لانه احتیال فی الربا وان لم ینه فما الفرق بینه و بین الربا حتی یحل ھذا و یحرم ذٰلك مع ان المآل وھو حصول الفضل واحد فیھما افیدونا الجواب توجروا یوم الحساب۔	اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے) [8] **ہشتم** کیا اسے قرض دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے، [9] **نہم** کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں اس کا بیچنا جائز ہے، [10] **دہم** کیا اس میں بیع سلم جائز ہے یوں کہ روپے پیشگی دئے جائیں کہ مثلًا ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا، [11] **یازدہم** کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے مثلًا دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم، [12] **دوازدہم** اگر یہ جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے روپے تو میرے پاس نہیں ہیں ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سود کا حیلہ ہے، اور اگر نہ منع کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا، ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے۔

الجواب:

اللھم لك الحمد یا وھاب صل وسلم علی السید الاوّاب وعلٰی اٰله و	الٰہی! تیرے ہی لئے حمد ہے، اے بہت عطا فرمانیوالے! درود و سلام بھیج ان سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع فرمانے والے ہیں اور ان کے

ازواجه والا صحاب اسئلك هداية الحق والصواب، اعلم وفقنی الله وایاك والصواب، وتولّی هدای و هداك ان النوط من احدث الاشیاء واجدّهالن تجد له ذکرا ولا اثرافی شیئ من مؤلفات العلماء حتی العلامة الشامی ومن ضاهاه من العلماء الماضین قریبا، ولکن الائمة شکرالله تعالٰی مساعیهم الجمیلة وافاض علینا من برکاتهم الجلیلة قد بینوا الملة الحنفیة بیانا شافیالیس دونه خفاء، وقد اُضت بحمد الله تعالٰی غراء بیضاء لیلها کنهارها فاصلوا اصولا وفصلو اتفصیلا، وذکر و اکلیات تنطبق علی ما لا یحصی من جزئیات، فالحوادث وان ابت النهایة لا تکاد تخرج عما افادونا من الدرایة ولن یخلو لوجود ان شاء الملك الودودعمن یقدره المولٰی سبحنه و تعالٰی علی استخراج تلك الخبایا و الاسترباح من تلك العطایا والمزایا نعم من الافهام بعید و قریب والانسان یخطی ویصیب، وما العلم الانور یقذفه الله فی قلب من یشاء من عباده، فلا حیلة الا التجاء الی توفیقه سبحٰنه وارشاده وحسبنا الله ونعم الوکیل	آل وازواج واصحاب پر میں تجھ سے حق وراستی کی رہنمائی چاہتاہوں جان اللہ تعالٰی مجھے اور تجھے توفیق دے اور میری اور تیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نوپیدا چیز ہے تو تالیفات علماء میں اس کا اصلاً نام ونشان نہ پائیگا یہانتک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کازمانہ ابھی قریب گزرا لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے) اس دین حنیف کا شافی بیان فرمادیا جس میں اصلا پوشیدگی نہیں تو بحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے تو انہوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا دکھادی اور ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بیشمار جزیوں پر منطبق آئیں تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگر ختم ہونا نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں اس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہاتو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالٰی ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے ہاں فہم بعضے بعید ہوتے ہیں اور بعضے قریب، اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی، اور علم تو اسی نور کا نام ہے جو اللہ تعالٰی اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القافرماتا ہے تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل کی توفیق وہدایت کی طرف التجا کی جائے اور اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کام

وعلیہ ثم علی رسولہ التعویل، جل وعلا وتکرم وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **فاقول:** وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق اول اسئلتك اصل اسئلتك واذا علمت حقیقۃ ھذا القرطاس اتضحت الاحکام کلھامن دون التباس، اما اصلہ فمعلوم انہ قطعۃ کاغذ و الکاغذ مال متقوم و مازادتہ ھذہ السکۃ الارغبۃ للناس الیہ وزیادۃ فی صلوح ادخارہ للحاجات وھذا معنی المال ای مایمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ للحاجۃ کما فی البحر والشامی[1] وغیرہما، و معلوم ان الشرع لم یرد بحجر المسلم عن التصرف فی قطعۃ قرطاس کیفما کانت کما ورد بہ فی الخمر والخنزیر وھذا ھو مناط التقوم کما فی ابن عابدین وفیہ عن التلویح المال مامن شانہ ان یدخر للانتفاع وقت الحاجۃ والتقویم یستلزم المالیۃ[2]، وفیہ	بنانے والا اور اسی پر اور پھر اس کے رسول پر بھروسا، وہ بزرگی و بلندی و کرم والا، اور ان پر اس کے درود و سلام، **فاقول:** (تو میں کہتاہوں) اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا، آپ کا پہلا اسوال آپ کے سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہوجائیگی تو سب احکام واضح ہوجائینگے جن میں کوئی شبہہ نہ رہے گا، اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے اٹھار کھنے کا زیادہ لائق ہوگیا اور مال کے یہی معنی ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لئے اٹھار کھنے کے قابل ہو، جیساکہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ وہ اپنے پارہ کاغذ میں جس طرح چاہے تصرف کرے جیساکہ شراب وخوک کے بارے میں نہی وارد ہوئی اور مال کے قیمت والے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیساکہ ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں تلویح سے نقل فرمایا مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقت حاجت اس سے نفع لینے کے لئے اٹھار کھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے، اور اسی میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ / ۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ / ۳

عن البحر عن الحاوی القدسی المال اسم لغیر الاٰدمی خلق لمصالح الاٰدمی وامکن احرازہ والتصرف فیہ علی وجہ الاختیار اھ[3] وقد قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[4] اھ وھذہ ان حققت جزئیۃ النوط اتی بھا ھذا الامام قبل حدوثہ بخمسمائۃ سنۃ.فانہ ھوا لکاغذ الذی یباع بالف ولا غرو فکم من مثل ھذہ الکرامات لعلمائنا الکرام نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم فی الدنیا و الاٰخرۃ اٰمین.فلا ریب ان النوط بنفسہ مال متقوم یباع ویشتری ویوھب ویورث ویجری فیہ جمیعہ مایجری فی الاموال.**اقول:** ومن الظن بل من اردء الشکوک توھم انہ سند من قبیل الصکوک ای ان السلطنۃ التی تروج ھذہ القراطیس تستدین من اٰخذیھا الدراہم و تعطیھم ھذہ تذکرۃ لدیونھم و لمقادیرھا فاذا	بحوالہ بحر الرائق حاوی قدسی سے ہے،مال آدمی کے سواہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اس میں تصرف کریں،اور بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر کوئی اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے انتہی،اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہٖ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اس کی پیدائش سے پانچسو برس پہلے فرمادیا کہ یہ وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ اچنبھا نہیں ایسی کرامتیں ہمارے علماء کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں اللہ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا وآخرت میں نفع پہنچائے،آمین ! تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں، **اقول:** (میں کہتا ہوں)اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شک میں سے ہے یہ وہم کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے یعنی وہ سلطنت جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے ان کے لینے والوں سے روپے قرض لیتی ہے اور یہ ان کے قرضوں اور انکی مقداروں کی یادداشت ان کو دیتی ہے تو جب وہ لوگ

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

جاؤابها الی السلطنة قضتهم دیونهم واخذت قراطیسها وان اعطوها غیر هم من الرعایا فهم یستدینون من اولئك الاخرین و یحیلونهم علی السلطنة ویعطونهم تلك التذکرة علما علی الاحالة کی یتوصلوابها الی اخذ مثل دیونهم من السلطنة المدیونة لمدیینهم وهکذا کلما تداولت الایدی تکررت الادانات والحوالات هذا معنی کونه سندا، وکل طفل عاقل یعلم ان هذه المعانی مما لایخطر ببال احد من المتعاملین بها ولایقصدون قط بهذا التداول ادانه ولا استدانة ولا حوالة ولا یذهب خاطر هم الی شیئ من ذلك اصلا ولاتری احدهم قط یذکر فی دفتر دیونه علی الناس من اخذالدراہم منه باعطاء النوط ولا یقول له مدة عمره انك استدنت منی کذا فاقضنی وخذتذکرتك منی ولا فی دفتر دیون الناس علیه من اخذهو الدراہم منه واعطاہ النوط ولایذکر لاحد فیه حیاته ولا عندمماته

سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر آئیں ________ سلطنت ان کے قرض ادا کردیتی اور اپنے کاغذ واپس لیتی ہے اور اگر نوٹ لینے والے رعیت میں اوروں کو نوٹ دیں تو وہ ان دوسروں سے روپے قرض لیتی ہیں اور اپنا قرضہ سلطنت پر اتار دیتے ہیں اور اس حوالہ کی نشانی کو وہی یادداشت کا کاغذ ان کو دے دیتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے ان دوسروں نے جو قرض ان پہلوں کو دیا تھا اسے سلطنت سے وصول کرسکیں جو ان پہلوں کے مقروضوں کی مدیون ہے اور یونہی جتنے الٹ پھیر نوٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر ہوتے چلے جاتے ہیں اس کے سند ہونے کے یہ معنی ہیں اور ہر سمجھ وال بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ کا معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا خطرہ بھی نہیں گزرتا اور کبھی اس الٹ پھیر سے قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف ان کا خیال نہیں جاتا اور تو ان میں کبھی کسی کو نہ دیکھے گا کہ اپنے قرض کے بھی کھاتے میں اس کا نام لکھے جس نے نوٹ دے کر اس سے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر اس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے قرض لیا ہے، ادا کردے اور اپنی یادداشت مجھ سے لے لے اور جو اوروں کا اس پر دینا آتا ہے اس میں بھی اس کا نام کبھی نہیں لکھتا جسے نوٹ دے کر اس نے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں

ان لفلان علی کذا فاقضوه وخذوا تذکرتی منه والظلمة المهتكة المعتادة باكل الربا جهارا لایدینون احدا درهما الا بربا یوضع علیه کل شهر مالم یقض و تراهم یاخذون النوط و یعطون الدراہم ولا یطلبون علیها فلسا واحدا لاعلی شهر ولا علی سنین ولو علموا انه ادانة لما ترکوه قطعا.فالحق انهم جمیعا انما یقصدون المبادلة والبیع والشراء ومن اخذ النوط یعلم قطعًا انه مبلکه بالدراہم ومن اعطاه یعلم قطعا انه اخرجه من مبلکه بالدراہم و صاحبه یعده من ماله و کنزه کالنقدین والفلوس ویدخره ویهبه و یوصی به ویتصدق فلا یفهمون الاالبیع ولا یقصدون الا البیع والناس عند مقاصدہم وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[5].فمن المتیقن الذی لایحرم یحوم حومة شبهة انه عند الناس مال	کہتا کہ فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے اسے ادا کردینا اور میری یادداشت اس سے لے لینا اور وہ ظالم بیباک جو سود علانیہ کھانے کے عادی ہوئے ہیں ایک روپیہ کسی کو قرض نہ دیں گے جب تک تاادائے دین اس پر ماہوار سود نہ مقرر کرلیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ نوٹ لے کر روپے دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی نہیں مانگتے نہ مہینے پیچھے نہ برسوں بعد، اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ چھوڑتے، تو حق یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس سے مبادلہ اور خرید وفروخت ہی کا قصد کرتے ہیں جو نوٹ لیتا ہے اور وہ یقینا جانتا ہے کہ میں روپے دے کر اس کا مالک ہوگیا اور جو نوٹ دیتا ہے وہ یقینا جانتا ہے کہ میں نے روپے لے کر نوٹ اپنی ملک سے خارج کردیا اور نوٹ لینے والا اسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے اور اسے جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے تو وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو ان کے مقصود ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد شبہہ کو اصلاً بار نہیں کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک

[5] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

متقوم محرز مدخر مرغوب فیه یباع ویشتری ویجری فیه کل مافی المال جری اما ماتری من علو اثمانه فقطعة بعشرة واخری بمائة واخری بالف، **فاقول:** قدمنا عن الفتح ان قطعة قرطاس تصلح ان تباع بالف و ذلك بالتراضی بین العاقدین فقط، فکیف اذا تراضی علیه امم من الناس وجعلوا هذه القطعات بهذه الاثمان اصطلاحا منهم علا ان الضرب السلطانی له قیمة عند الشرع ایضا. الاتری ان من سرق عشرة دراہم مضروبة قطع ومن سرق تبرا غیر مضروب وزنه قدر عشرة ولا تبلغ قیمة عشرة مضروبة لم یقطع کما نص علیه فی الهدایة [6] وغیرها عامة کتب المذہب والفلوس المضروبة المقدرة بربیة ان اخذت قدرها وزن من النحاس لایساوی ربیة قطعا بل قد لایساوی نصفها بل تری مثل ذلك فی الفضة فقد کانت فی قریب من الزمان فضة تساوی	قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا ہے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور جو مال میں جاری ہے سب اس میں جاری ہوتا ہے اور یہ جو تم اس کی بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا اور دوسرا سو کا اور تیسرا ہزار کا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم فتح القدیر سے بیان کرآئے کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے اور اس کے لئے صرف اتنا درکا ہے کہ بائع و مشتری دونوں راضی ہوں تو اس کا کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی ہوں اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھہرالیں، علاوہ بریں سکہ شاہی شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے کیا نہیں دیکھتا کہ جو شخص دس درہم سکہ کے چرائے ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ایسی چاندی بے سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو اور اس کی قیمت سکہ کے دس درہم تک نہ پہنچی اس کا ہاتھ نہ کٹے گا، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتب مذہب میں تصریح ہے اور ایک روپے کے سکہ دار پیسے جتنے آتے ہیں اگر تو ان کے وزن کا تانبا لے تو ہرگز ایک روپے کا نہ ہوگا بلکہ بعض وقت اٹھنی کا بھی نہ ہوگا بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی دیکھو گے ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ دو روپے بھر چاندی ہمارے ملک میں ایک روپے کو

[6] الهداية کتاب السرقة المكتبة العربية کراچی ۲/ ۵۱۸

ربیتین وزنا بربیة واحدة فی بلادنا وکانت الجهلة یشترون ولا یعلمون مافیه من وبال الربا فاذا حصل بالضرب التضعیف فالضعف والا ضعاف سواء ومن الجلی عند کل من ورد ولو عابر سبیل مشرع الشرع الجلیل او منهل العقل السلیم ان الشیئ التافة جدا ربما یعرض له ما یجعله اعلی من الوف امثاله وربما اشتریت جاریة بما ئتی الف و اکثر ،ولایرغب فی اخری بثلثین درهما مع ان الاوصاف لا قسط لها من الثمن حتی الاطراف مالم تصر مقصودة بالاتلاف فما هی الاثمن الذات زادته الاوصاف لزیادة الرغبات، ارأیتك ان کانت ورقة کاغذ فیها علم نفیس عجیب نادر غریب وکان رجل یطلبه ویعرف قدره فاشتراها بعشرة الاف هل فیه من خلاف کلا ،بل حلال طیب بنص القراٰن والاجماع من دون نکیر ولا نزاع ،قال تعالٰی "اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ "[7] فهذ ه العشرة الالاف ماهی ثمن المکتوب فانه لا مالیة له اصلا کما نص علیه فی الهدایة وسائر الکتب المعللة وهذا	بکتی تھی اور جاہل لوگ خریدتے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ اس میں سود کا کیسا وبال ہے تو سکہ سے جب دو نا دون قیمت ہو گئی تو دو چند ہزار چند سب یکساں، اور ہر شخص کہ شرع مطہر یا عقل سلیم کے گھاٹ گزرا ہے اگرچہ راہ چلتا ہوا، اس پر روشن ہے کہ ایک شیئ نہایت حقیر میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اسے اس جیسی ہزاروں سے بیش بہا کردیتا ہے اور بارہا ایک کنیز دولاکھ روپے اور اس سے زائد کو خریدی گئی اور دوسری کو کوئی تیس روپے کو نہیں پوچھتا حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں سے کوئی حصہ نہیں یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جب تک کہ بالقصد نہ ہلاک کئے جائیں وہ ثمن ذات ہی کا ہے جسے رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھادیا بھلا بتاتو کہ ایک ورق کاغذ ہو جس میں ایک علم نفیس عجیب وغریب نادر ہو اور ایک شخص اس علم کا طلب گار ہو اور اس کی طلب جانتا ہو وہ اس ورق کو دس ہزار میں خریدلے تو کیا کوئی اس میں خلاف ہے ہر گز نہیں بلکہ حلال طیب ہے اس پر قرآن عظیم کا نص اور بلا انکار ومنازعت اجماع قائم ہے، رب عزوجل فرماتا ہے مگر یہ کہ کوئی سودا تمہارے آپس کی خوشی کا ہو اور یہ دس ہزار اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں جیساکہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں

[7] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

نصہا ولا قطع فی سرقۃ المصحف و ان کان علیہ حلیۃ لانہ لامالیۃ لہ علی اعتبار المکتوب واحرازہ لاجلہ لا للجلد والاوراق والحلیۃ وانما ھی توابع،ولا فی الدفاتر کلہا لان المقصود مافیہا وذٰلك لیس بمال الادفاتر الحساب لان مافیہا لایقصد بالاخذ فکان المقصود الکواغذ اھ[8] ملتقطا فتبین ان الورقۃ الواحدۃ ھی التی بلغ ثمنہا لما فیہا عشرۃ اٰلاف فای غرو فی بلوغ قیمۃ نوط عشرۃ او اکثر لاجل ما کتب فیہ مما استجلب رغبات الناس الیہ وای حجر من الشرع علیہ وبالجملۃ فالمسألۃ اوضح من ان تحتاج الی ایضاح والی کم تبتغی المصباح وقد اسفر الاصباح، **ثم اقول:** بل حقیقۃ الامر ان الاموال کما فی البحر و غیرہ اربعۃ اقسام، اَلاول ثمن بکل حال وھو النقدان	مسائل مع دلائل مذکور ہیں اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر سونا چڑھا ہو اس لئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو وہ از قبیل مال ہی نہیں اور اس کا محفوظ رکھنا اس مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے یہ چیزیں تو تابع ہیں اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کہ ان سے مقصود وہ ہے کہ جو ان میں لکھا ہے اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ ان میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا جو اس کا لینا مقصود ہو تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوئے انتہی ملخصًا، تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اسکی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اسکی طرف کھنچ گئیں اور شرع سے اس پر کون سی روک ہے، خلاصہ یہ کہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ روشن کرنے کا حاجتمند ہو اور کہاں تک تو چراغ مانگے جائے گا حالانکہ صبح روشن ہو گئی، **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) اصل بات یہ ہے کہ مال چار قسم ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے، اول وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے اور وہ سونا چاندی

[8] الہدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ وما لایقطع المکتبۃ العربیۃ بیروت ۲/ ۲۱-۵۲۰

فانهما اثمان ابدا صحبتهما الباء اولا وقوبلا بجنسهما اولا وعدهما العرف من الاثمان اولا كالمصوغ منهما فانه بسبب ما اتصل به من الصنعة لم يبق ثمنا صريحا ولهذا يتعين فى العقد ومع ذٰلك بيعه صرف يشترط فيه مايشترط فى الصرف لانهما خلقا للثمنية ولا تبديل لخلق الله.و۲ الثانى مبيع بكل حال كالثياب والدواب فانها وان صحبتها الباء وقوبلت بما تشاء لا تثبت دينا فى الذمة وهذا هو المعنى بالثمنية فلا يرد ان فى المقايضة كلا من العرضين ثمن من وجه هكذا وجه ابن عابدين جوابا عن ايراد العلامة الطحطاوى.**اقول:** وفيه ان المصوغ من الحجرين ايضا لايثبت دينا فى الذمة بل يتعين فى العقود كما تقدم عن البحر فان سلم هذا وردالنقض على ذٰلك فليتأمل والاظهر عندى الجواب

ہے کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے خواہ انکے عوض کوئی چیز بیچی یا انکو کسی چیز کے عوض بیچنا کہیں خواہ اپنی جنس سے بدلے جائیں یا غیر جنس سے خواہ اہل عرف انہیں ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونے کے برتن کہ وہ اس گھڑت کے سبب جو ان میں ہوئی خالص ثمن نہ رہے ولہذا عقد بیع میں متعین ہو جائیں گے اور باینہمہ ان کی بیع شرعًا صرف ٹھہرے گی (یعنی ثمن سے ثمن کا بیچنا) اور جو شرائط صرف کے وہ سب اس کے مشروط ہوں گے اس لئے کہ چاندی سونا ثمن ہونے کے لئے ہی بنائے گئے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔ قسم دوم وہ جو ہر حال مبیع ہے جیسے کپڑے، چوپائے کہ اگر ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہیں اور ان کا مبادلہ کسی شیئ کے ساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہو کر لازم نہ ہوں گے، اور ثمن ہونے کے یہی معنی ہیں تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ (جس میں متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اس میں دونوں متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں، اعتراض علامہ طحطاوی کے جواب میں علامہ شامی نے اسی طرح توجیہ فرمائی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونے کی گھڑی ہوئی چیز مثلًا برتن یا گہنا یہ بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے بلکہ عقد میں متعین ہو جاتے ہیں جیسا کہ بحرالرائق سے گزرا، تو اگر یہ تقریر سالم رہے تو اس پر نقض وارد ہوگا، فتامل، اور میرے نزدیک صاف جواب

بان کل سلعة فی المقایضة مبیع ایضاولا یمکن ان تصیر ثمنا محضا وان کان لها وجهة الی الثمنیة من حیث ان البیع لایقوم الابالبدلین بخلاف القسم الاٰتی فانه تارة یصیر ثمنا بحتا و اخری مبیعا خالصا فمعنی القسمین انه لا ینفك عنه کونه ثمنا او کونه مبیعا بشیئ من الاحوال وان اعتراه وجهة اخری ایضا فی بعض الحال ثم قوله کالثیاب ارسلها ارسا لاواقره الشرح والحواشی والمراد المختلفة افرادها مالیة والاکانت من الثالث حیث امکن ضبطها بذکر جنس کقطن وکتان وصنعة کعمل الشام و مصر ورقة او غلظة وذرع طولا و عرضا ووزن ان بیعت به وبذا یجوز السلم فیها کما عرف فی محله و"الثالث ما لوصف فی ذاته ثمن تارة و مبیع اخری ولا **اقول**: کقول التنویر ثمن من وجه مبیع من وجه [9] لیعود حدیث المقایضة.**اقول**: وانما زدت لو صف فی ذاته احترازاعن قسم الرابع فانه	یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع بھی ہے اور ثمن خالص نہیں ہو سکتی اگرچہ اس کا ایک رخ ثمنیت کی طرف بھی سہی اس لئے کہ بیع بغیر ثمن و مبیع دونوں کے نہیں ہو سکتی بخلاف قسم آئندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص مبیع، تو ان دونوں قسموں کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثمن یا مبیع ہونا کسی حال اس سے جدا نہ ہو اگرچہ بعض اوقات اسے دوسرا رخ بھی عارض ہو پھر وہ جو کپڑوں کی مثال گزری مصنف نے اسے یونہی مطلق چھوڑا اور شرح وحواشی میں اسے برقرار رکھا اور مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہ ہوں، ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے جبکہ ان کا ضبط ہوسکے ذکر جنس سے جیسے روئی اور کتان، یا کارخانہ کے ذکر سے جیسے شام ومصر کا کام، یا پتلی اور دبیز ہونے سے یا طول و عرض کی پیائش سے یا وزن سے اگر تول کر بیچے جاتے ہوں اور اسی بنا پر ان میں بیع سلم یعنی بدلی جائز ہے جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہوچکا ہے۔ قسم سوم وہ جن کی ذات میں کوئی کاایسا وصف ہے جس کے سبب کبھی ثمن کبھی مبیع ہوتے ہیں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے، **اقول**: (میں کہتا ہوں) میں نے یہ قید کہ اس کی ذات میں کوئی وصف ایسا ہو اس لئے بڑھادی کہ

---
[9] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

ایضًایصیر مرۃ ثمنا واخری لا،لا لو صف فی ذاتہ بل للاصطلاح وعدمہ وھذہ ھی المثلیات فانھا اما ان تقابل باحد النقدین او لا علی الاول مبیعات مطلقًا سواء دخلتھا الباء اولا وتعینت اولا کقولك بعتك ھذا الذھب بکُرّ برّ او بھذ االکر فالکر مبیع مطلقًا والبیع فی صورۃ التعیین مطلق وفی غیرہ سلم یشترط فیہ شرائطہ وعلی الثانی اما ان تدخلھا الباء اولا علی الاول اثمان مطلقًا تعینت اولا کبعتك ھذا الثوب بکربر او بھذا الکر والبیع مطلق فی الوجھین والکر یثبت فی الذمۃ وعلی الثانی ان تعینت فاثمان کبعتك ھذاالکر بھذا الثوب اولا فمبیعات کبعتك کرا بھذا العبد والبیع سلم بشروطہ والحاصل ان المثلی ان قوبل بحجر فمبیع مطلقًا والا فان دخلتہ الباء فثمن مطلقًا والا فان تعین فثمن اولا

قسم چہارم نکل جائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں بلکہ اصطلاح وعدم اصطلاح کی بناپر۔اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں اب ان کا مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہوگا یااور چیز سے: پہلی صورت میں مطلقًا مبیع ہیں چاہے خرید وفروخت میں ان کو عوض ٹھہرایا ہو یا سونے چاندی کو اور یہ شیئ مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا تو گیہوں بہر حال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہے تو بیع مطلق ہے اور اگر غیر معین ہے تو سلم کہ اس کے شرائط لازم ہوں گے اور دوسری صورت میں ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہی یا ان کو کسی شے کے عوض بیچنا کہا پہلی تقدیر پر ہر حالت میں ثمن ہوں گے خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوؤں یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا اور بیع بہر حال مطلق ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہونگے بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں تو ثمن ہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے اور معین نہ ہوں تو مبیع ہیں جیسے یوں کہے کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے بدلے بیچے اور بیع سلم ہے اس کے شرائط کے ساتھ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو تو مطلقًا مبیع ہے ورنہ اگر اس کے عوض بیچنا کہیں

فمبيع وهذا ايضاح ما حرر الشامي مع احسن ضبط لا يوجد فيه والرابع ما هو سلعة بالاصل وثمن بالاصطلاح كالفلوس فما دام يروج فكثمن والا عاد لاصله ولا شك ان المصطلحين اذا ارادوا ان يجعلوا سلعة ثمنا لا بد لهم ان يرجعوا فی تقديرها الی الثمن الخلقی فان ما بالعرض لا يتقوم الا بما بالذات فيجعلون اربعة وستين من الفلوس الهندية او احدى وعشرين من الهللات العربية بربية وهكذا فی غيرها وهم فی ذلك بالخيار يصطلحون كيف يشاؤن اذلا مشاحة فی الاصطلاح، وقد كان قبل نحو عشرين سنة فی الديار الهندية قسمان من الفلوس يروجان احدهما مضروب و الأخر قطعة نحاس مستطيلة الشكل نحو ضعف الفلس المضروب فی الوزن وكان من المضروب اربعة وستون بربية لا تزيد ولا تنقص ومن الأخر يختلف السعر ،وربما صار ثمانون منه بربية الى ان كسد ونفد فكل ذلك راجع الی الاصطلاح ولا حجر فيه من جهة الشرع الشريف اذا علمت هذا فالنوط هو من القسم الرابع سلعة باصله لانه قرطاس وثمن بالاصطلاح لانه

تو مطلقًا ثمن ہے ورنہ اگر معین ہو تو ثمن ہے اور غیر معین ہو تو مبیع یہ اس کا ایضاح ہے جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں، قسم چہارم وہ یہ کہ حقیقۃً کوئی متاع ہو اور اصطلاحًا ثمن جیسے پیسے تو وہ جب تک چلتے ہیں ثمن ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے اور اصلًا شبہہ نہیں کہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں تو انہیں ان کے اندازہ میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنے ناگزیر ہے کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے ہوتا ہے تو ۶۴ ہندی پیسے یا ۲۱ عربی ہللے ایک روپے کے قرار دیتے ہیں یوں ہی اس کے ماسوا میں،اور اختیار ہے جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں، ۲۰ برس پہلے ہندوستان میں دو طرح کے پیسے رائج تھے ایک سکہ زدہ (ڈبل) دوسرے تانبے کے لمبے ٹکڑے وزن میں ڈبل پیسے سے قریب، دونے کے (منصوری) ڈبل پیسے روپیہ کے ۶۴ سے نہ زائد ہوتے ہیں نہ کم، اور منصوری کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور کبھی ایک روپے کے اسی ہو جاتے تھے یہاں تک کہ چلن نہ رہا اور جاتے رہے تو یہ سب اصطلاح کی جانب راجع ہے اور اس میں شرع مطہر کی طرف سے کوئی روک نہیں۔ جب یہ معلوم ہولیا تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے، اصل میں یہ ایک متاع ہے اس لئے کہ ایک پرچہ کاغذ ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا

یعامل بہ معاملۃ الاثمان وھذہ الرقوم المکتوبۃ علیہ تقدیرات ثمنیۃ بالثمن الاصلی کما علمت. فھو اصطلاح لامضایقۃ فیہ ولا یسأ ل لہ عن وجہ و توجیہ وقد تبین بھذا التقریر والحمد اللہ الفتاح القدیر حقیقۃ النوط وانما سائر الاحکام بھا منوط، فاذن لایعتری ان شاء اللہ تعالٰی فی ابانۃ شیئ من الاحکام اشکال والحمدللہ المھیمن المتعال۔

اما السوال الاول: فقد بان الجواب مع المزید ولا احتیاج الی ان نزید۔

واما الثانی

فاقول: نعم تجب فیہ الزکٰوۃ بشروطھا لما علمت انہ مال متقوم بنفسہ ولیس سندا او تذکرۃ للدین حتی لایجب اداؤھا مالم یقبض خمس نصاب ولا حاجۃ فیہ الٰی نیۃ التجارۃ لان الفتوی علی ان الثمن المصطلح تجب فیہ الزکٰوۃ مادام رائجا بل لا انفکاک لہ عن نیۃ التجارۃ لانہ لا ینتفع بہ الا بالمبادلۃ کما لایخفی فی فتاوٰی قاری الھدایۃ الفتوی علی وجوب الزکٰوۃ فی

معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہوچکا تو یہ ایک اصطلاح ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں نہ اس کی وجہ توجیہ دریافت کی جائیگی، **بحمد اللہ القدیر** اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہو گئی اور تمام احکام اسی پر مبنی تھے توان **شاء اللہ تعالٰی** اب کوئی دشواری کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئے گی، اور سب خوبیاں اللہ کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے بلندی والا۔

جواب سوال اول: مع شے زائد واضح ہو لیا اور بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

جواب سوال دوم:

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے اس لئے کہ آپ نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز و رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں اسلئے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے بلکہ نوٹ کو نیت تجارت سے اصلاً جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے فتاوٰی علامہ قاری الہدایۃ میں ہے فتوٰی اس پر ہے کہ پیسے جب تک رائج ہیں ان پر زکوٰۃ واجب

الفلوس اذا تعومل بها اذا بلغت ماتساوی مائتی درہم من الفضۃ او عشرین مثقالا من الذہب اھ[10] و النوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الی نصاب من جنسه او من احد النقدین باعتبار القیمة کا موال التجارۃ۔	جبکہ دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں انتہی اور نوٹ جو سال زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے ملے وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملایا جائے گا جیسا تجارتی مال کا حکم ہے۔
واما الثالث	**جواب سوال سوم:**
فاقول: نعم یصح مهرا لما علمت اذا کانت قیمته وقت العقد سبع مثاقیل من فضة فان اقل یتم کما فی العروض۔	**فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) ہاں وہ مہر ہو سکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقت عقد اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔
واما الرابع	**جواب سوال چہارم:**
فاقول: یجب القطع بشروطه من تکلیف ونطق وبصر و حرز تام وغیرها اذا بلغت قیمته کلا یومی السرقة والقطع عشرۃ دراہم مضروبة جیادا وذٰلك کله لما بینا انه مال متقوم بنفسه۔	**فاقول:** (میں کہتا ہوں) نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو، گونگا نہ ہو، اندھا نہ ہو، نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو، اور اس کے سوا جو شرائط ہیں اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اس کی قیمت دس درہم سکہ دار کھرے تک پہنچے اور یہ سب اسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کر آئے کہ وہ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے۔
واما الخامس	**جواب سوال پنجم:**
فاقول: نعم یضمن باتلاف بمثله ولا یجبر المتلف	**فاقول:** (میں کہتا ہوں ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کردے تو اسے تاوان میں نوٹ

[10] فتاوٰی قارئ الہدایۃ

علی اداء الدراہم خاصة لان النوط عددی غیر متفاوت اصلا اذا اتحد دار ضربه. نعم اذا اختلف ولو اتحدت السلطنة فربما تختلف القیمة وذلك ان النوط اله آباد او اله آباد و کلکتة یروج فی ممالك الهند المشرقیة الشمالیة اکثر مما یروج نوط بمبئی و بالعکس ربما یشتری نوط مکانٍ فی اخر بنقص عدة آنات من رقمه المکتوب علیه فلا یعد احدهما مثل الأخر الا اذا استویا رواجا۔

واما السادس

فاقول: نعم یجوز نعم کما تعامله الناس فی عامة البلاد وقد علمت تحقیقه۔

تنبیه: کنت قنعت فی الجواب بهذا القدر لوضوح الامر بما قررته فی الصدر فاذا نهیت الرسالة بلغنی عن بعض عـــه الافاضل انه حفظه الله تعالٰی قال مذاکرة لامجادلة ان العلامة ابن عابدین ذکر فی رد المحتار تفریعا علی ان من شروط انعقاد البیع کون المعقود علیه مالا متقوما انه لم ینعقد بیع کسرة خبز لان ادنی القیمة التی تشترط

ہی دینا آئے گا اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ نوٹ وہ چیز ہے جس کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور دونوٹوں میں اصلاً تفاوت نہیں سمجھا جاتا ہے جبکہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں ہاں ٹکسال جب مختلف ہو تو اگرچہ سلطنت ایک ہو اکثر قیمت مختلف ہوجاتی ہے اور یہ اس لئے کہ نوٹ الہ آباد یا الہ آباد و کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالک ہند میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے وبالعکس اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں۔

جواب سوال ششم

فاقول: (پس میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عمل درآمد ہے اور تم اس کی تحقیق جان چکے۔

تنبیہ: میں نے جواب میں اسی پر اکتفاء کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گزری اس سے امر واضح ہوچکا تھا پھر جب میں رسالہ تمام کرچکا مجھے بعض علماء سلمہ اللہ تعالٰی سے خبر پہنچی کہ انہوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال متقوم ہونا ہے یہ تفریع ذکر کی کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل ہے کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت

عـــه: یعنی فاضل حامد احمد محمد جدادی سلمہ ۱۲۔

لجواز البیع فلس اھ [11] ومعلوم ان ھذا القدر من القرطاس لایساوی فلسا ای فیکون البیع باطلا غیر منعقد اصلا فضلا عن الحرمۃ والکراھۃ۔ **اقول:** و باللہ التوفیق ھذا قالہ قبل ان یطالع رسالتی ولذلك وددت انہ سلمہ ربہ طالعھا واطلع علی مافیھا والجواب ظاھر بملاحظۃ قولہ لایساوی فلسا فبون بیّن بین لا یساوی ولم یکن یساوی لانہ الاٰن یساوی مائۃ و الفا ولنظر للحال لا للاصل الا تری ان بیع اوانی الخزف والطین کبارھا وصغارھا من الحب والجفنۃ الی نحو رأس الشیشۃ شائع ذائع بین عامۃ المسلمین ولم ینکرہ احد مع ان اصلہ تراب والتراب لیس بمال بل لو نظر للاصل لعادت مسألۃ الفلس المتمسك بھا علی نفسھا بالنقض لما علمت ان قطعۃ نحاس بوزن فلس لا تساوی فلسا قط بل لا تبلغ نصفہ ایضا، و لذا اولعت المجازفون باصطناع قوالب کقالب دار الضرب	ہونا شرط ہے انتہی، اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ کا ایک پیسہ کی قدر نہیں تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہئے کہ اصلاً ہوئی ہی نہیں، حرام یا مکروہ ہونا تو درکنار، **اقول:** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے) ان عالم نے یہ بات میرا رسالہ دیکھنے سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی کہ کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے اور اس کے مضامین پر مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود ان کے اس کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک پیسہ کا نہیں یا ایک پیسہ کا نہ تھا اس لئے کہ اب تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی، کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی مٹی کے برتن چھوٹے بڑے گولی اور کونڈے سے لے کر چلم تک ان کی بیع تمام مسلمانوں میں رائج و معروف ہے اور کوئی اس پر انکار نہیں کرتا حالانکہ ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں اگر اصل کو دیکھیں تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود اپنے ہی نفس کا ناقص ہوگا اس لئے کہ تمہیں معلوم ہوچکا کہ تانبے کا پتر جو وزن میں ایک پیسہ کے برابر ہو ہرگز ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا اور اسلئے بیباکوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی ہے ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبا گلا کر اس میں

[11] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

يذيبون النحاس ويقلبونه فيها فيصير فلو سا و يربحون به ضعف ماخسروا ويقولون انه انفع من ضرب الربابى فبا لنظر للاصل لايساوى الفلس نفسه فلسافلايكون مالامتقوما فكيف يكون قيمة وثمنا ومن تأمل حديث ورقة علم الذى قدمنا علم ان الشيئ انما ينظر اليه بما هو عليه الأن لابما قد كان الاترى ان العالم معظم شرعا وعقلا وعرفا ولا نظر الى انه فى الاصل من الذين قال الله تعالٰى فيهم "وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا"[12] وما ذٰلك الا لانه بحدوث وصف فيه صار متقوما عند الله وعند الناس بعد ان لم يكن وكذٰلك ورقة العلم لما تجد د فيها من كتابة ذٰلك العلم وكذٰلك النوط لما حدث فيه بذاك الرقم و الطبع ما استجلب الرغبات اليه للنفع وصار يميل اليه الطبع ويجرى فيه البذل والمنع ولا قيمة للايراد بانه لايمشى فى كل البلاد فان هذا ليس من لوازم المالية عند احد

ڈالتے ہیں کہ پیسہ ہو جاتا ہے اور اس میں جتنا خرچ ہوتا ہے اس سے دونا نفع مل جاتا ہے اور اسے روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسے کا نہیں تو مال متقوم نہ ہوا تو کیونکر قیمت اور ثمن ہو سکتا ہے اور ورق کی بات کہ اوپر گزری جو اسے دیکھے گا یقین کریگا کہ شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ کہ حالت گزشتہ، کیا نہیں دیکھتے کہ شرع میں عقل میں عرف میں عالم کی تعظیم ہے اور اس پر نظر نہیں کہ وہ اصل میں ان لوگوں سے ہے جن کی نسبت رب عزوجل نے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے تو یہ اسی سبب سے ہے کہ اس میں ایک وصف ایسا پیدا ہو گیا جس کے سبب خالق و خلق سب کے نزدیک اس کو وہ عزت ہو گئی جو پہلے نہ تھی ایسے ہی وہ علم کا ورق اس وجہ سے کہ اس میں وہ علم لکھ دیا گیا اور ایسے ہی نوٹ جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو اس کی طرف کھینچ دیا اور طبیعتیں اس کی طرف میل کرنے لگیں اور اس میں دینا اور روکنا جاری ہوا اور یہ اعتراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم

[12] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۸

بل هذا هو حال اكثر العملة المضروبة الاترى ان الخمسات والعشرات والهللات الرائجة ھٰهنا لا تروج فی الهند اصلا وکذٰلك لاتمشی فلوس الهند هنا بخلاف النوط فان نوط الهند نافق هھنا بالمشاهدة وبعض النقصان لایمنع المشی ولا یوجب الکساد بل قد اصطرفت انافی ذی الحجة هذا بهذا البلد الامین نوطا افرنجیا معلما برقم خمسمائة ربية بثلثة وثلثین جنیها و خمس ربابی وهذا ثمنه سواء بسواء فالجنیهات بار بعمائة وخمس و تسعین وهی مع الخمس خمسمائة(ربية)وقد قال فی الکفایة اوائل باب البیع الفاسد ان صفة المالیة للشیئ بتمول کل الناس او بتمول البعض[13] ایاه اھ ومثله فی فتح القدیر، وفی ردالمحتار عن البحر الرائق عن الکشف الکبیر المال مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة والمالیة تثبت بتمول الناس کافة او بعضهم[14] اھ فتبین ان الفرع المذکور المتمسك به لا مساس له بما نحن فیه ولکن العبد الضعیف

نہیں بلکہ سکہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے کیا نہیں دیکھتے کہ خمسے اور عشرے اور ہللے جو یہاں (عرب شریف میں) رائج ہے ہند میں اصلا نہیں چلتے اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے اور کچھ کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں، نہ اس سے بے رواجی لازم ہے بلکہ میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظّمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پر پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے کو بھنایا اور یہ اس کا پورا ثمن ہوا کہ وہ اشرفیاں چار سو پچانوے روپے کی ہوئیں اور وہ ان پانچ روپوں سے مل کر پورے پانسو ہوگئے اور بیشک کفایہ کی اوائل باب بیع فاسد میں فرمایا کہ شیئ کا مال ہونا یوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اسے مال بنائیں یا بعض انتہی، اور ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور ردالمحتار میں بحوالہ البحرالرائق کشف کبیر سے نقل کیا کہ مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھار کھنا ممکن ہو اور مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض اسے مال بتائیں انتھی، توظاہر ہوگیا کہ وہ پیسہ کا مسئلہ جس سے ان عالم نے تمسک کیا ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا مگر بندۂ ضعیف

---

[13] الکفایة مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۳

[14] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

یحب ان یکشف الحجاب عن حالہ ایضا کیلا یغتر بہ فی محل اٰخر مع مافیہ من تحجیر ماوسعہ الشرع المطہر .**فاقول:** وبہ استعین اصل الفرع للقنیۃ فرد المحتار نقلہ عن البحر والبحر نقلہ عنہا وتبعہ تلمیذہ العلامۃ الغزی وبالغ حتی ادخلہ فی متنہ فی متفرقات البیوع قبل الصرف مع خلو اصلہ اغنی الغرر والدرر عنہ وقد ردہ شارحہ العلامۃ العلائی الی القنیۃ بل اعترف بہ المصنف نفسہ فی شرحہ منح الغفار فقال بعد ایرادہ متنا نقلہ فی القنیۃ ایضا اھ[15] ای کما نقل المسألۃ قبلہ فیہا وھی صح بیع خرء حمام کثیر وھبتہ،والقنیۃ مشہورۃ بضعف الروایۃ وصرحوا انہا اذاخالفت المشاھیر لم تقبل بل قد نصوا انہا اذا خالفت القواعد لم تقبل مالم یعضدھا نقل معتمد من غیرھا والعبرۃ بالمنقول عنہ لا بالناقل وبکثرۃ

دوست رکھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حال بھی کھول دے تاکہ کہیں دوسری جگہ اس سے دھوکا نہ کھائے باوصف اس وقت کے جو اس مس ہے کہ اس نے ایسی چیز کو تنگ کردیا جسے شرع مطہر نے وسیع فرمایا تھا،**اقول:** وبہ استعین (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں) اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے رد المحتار نے اسے بحر سے نقل کیا اور بحر نے قنیہ سے اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے ان کی متابعت کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر وغرر اس سے خالی ہے اور اس کے شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اس کا اعتراف فرمایا متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا ہے انتہی یعنی جیسے اس سے پہلے مسئلہ بھی قنیہ میں منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو اس کی بیع وہبہ صحیح ہے اور قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں اور علماء نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے مقبول نہ ہوگی بلکہ نص فرمائی ہے کہ قنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا اور نقلوں

---

[15] منح الغفار شرح الدرالمختار

النقول لاتندفع الغرابة اذالم یکن مستند هم الاواحدا کما بینت کل ذلك فی کتابی فی اُداب المفتی سمیته فصل القضاء فی رسم الافتاء وحکم فی الظهیریة استحباب القیام بعد سجود التلاوة مثل ماقبله ونقله مافی التتارخانیة والغنیة والمضمرات وعنها فی البحر و مشی علیه فی الدر وغیره ومع ذلك حکم فی البحر انه غریب قال الشامی وجه غرابته انه انفرد بذکره صاحب الظهیریة ولذا عزه من بعده الیها فقط اه[16] وانت تعلم ان فرع القنیة لم یرزق من النقول هذا القدر ایضا ولا القنیة کالظهیریة فانی تغرب عنه الغرابة ویالیته لم یکن الاغریبا فیکون کالشاذ لکنه کالمنکر لان کلتا الخالفتین نقد وقته مخالفة المشاهیر ومخالفة قواعد الشرع المنیر، اما الاولی فلقد کان ناهیك فیها قول الفتح والشرنبلالی والطحاوی ورد المحتار وغیرها من معتمدات الاسفار لو باع کاغذة بالف یجوز[17] وجزاهم الله الحسنی وزیادة	کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوئی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتہی ہو جیسے کہ میں نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اس کتاب میں کردیا جو آداب مفتی میں لکھی جس کا نام میں نے فصل القضاء فی رسم الافتاء رکھا، اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدہ تلاوت کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے اور یہ مسئلہ اس سے تتارخانیہ اور قنیہ اور مضمرات نے نقل کیا اور ان سے بحر میں اور در وغیرہ میں اسی پر چلے باوصف اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ وہ غریب ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا: اس کی غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط اس کی طرف اسے نسبت کیا انتہی، اور تو جانتا ہے کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہ ہوئیں اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے تو غرابت اس سے کہاں جائیگی اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا مگر یہ تو مثل حدیث منکر کے ہے اس لئے کہ دونوں مخالفین اس کی نقد وقت ہیں کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت پہلے مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا کہ فتح القدیر اور شرنبلالی اور طحطاوی اور ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں فرمایا اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے تو اللہ تعالٰی انہیں بھلائی اور اس سے زیادہ

[16] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۵

[17] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴

علٰی زیادۃ تاء الوحدۃ فی کاغذۃ لکن ھھنا شیئ اٰخر اجل واکبر لایرد ولا یرام ولا یمس غبارہ الاوھام وھو اجماع ائمتنا جمیعا فی الروایات الظاہرۃ عنھم و اطباق متون المذہب و شروحہ و فتاوٰہ علی جواز بیع تمرۃ بتمرتین و جوزۃ بجوزتین، وزاد فی الفتح و الدر ابرۃ بابرتین[18] وکل احد یعلم ان لیس شیئ منھا یسوی فلسا ففی بلادنا تکون عدۃ صالحۃ من التمر بفلس وھو ھٰھنا ارخص وکذٰلک الجوز وھو ارخص فی بلادنا وثمہ تجد الابر بفلس من ثمان الی خمس وعشرین فھذہ مخالفۃ بینۃ لجمیع المشاھیر بل لنصوص جمیع ائمۃ المذہب والمحقق حیث اطلق و ان رجح روایۃ المعلی عن محمد بکراھۃ تمرۃ بتمرتین لکنہ لاجل التفاضل لالان تمرۃ لایساوی فلسا فلو باع تمرۃ من

جزادے کہ انہوں نے کاغذ میں تائے وحدت بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک اور چیز ہے نہایت جلیل و عظیم کہ نہ رد ہوسکے نہ اس پر کوئی آنکھ اٹھاسکے نہ اوہام اس کی گرد پائیں، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ نے ان روایات میں جو ان سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے اور متون و شروح و فتاوٰی مذہب کا اتفاق ہے کہ ایک چھوہارہ دو چھوہاروں کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹوں کو بیچنا جائز ہے اور فتح القدیر و درمختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک سوئی، اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ایک پیسہ کی نہیں ہوتی ہمارے شہروں میں معقول گنتی کے چھوہارے ایک پیسہ کے ہوتے ہیں اور یہاں اور بھی سستے ہیں اور ایسے ہی اخروٹ اور ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں اور ہندوستان میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لے کر پچیس سوئیاں ملتی ہیں تو اس مسئلہ قنیہ کی یہ صریح مخالفت ہے تمام کتب مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب سے اور محقق علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد سے امام معلٰی کی اس روایت کو ترجیح دی کہ دو چھوہاروں کے بدلے ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے مگر وہ کراہیت ایک زیادتی کے سبب سے ہے نہ اس لئے کہ چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا

[18] درمختار باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

البرنی بتمرۃ من الجنیب مثلا لم تمسہ روایۃ المعلی ولا ترجیح المحقق ثم الروایۃ ایضا لا تقول الا بالکراھۃ فاین البطلان و عدم الانعقاد الذی کنتم تدعون، و اما الثانیۃ **فاقول**: اکثر تعیش الفقراء فی مملکۃ الھند علی کبرھا واتساعھا(فان عمارتھا عرضا من ثمان درج شمالیۃ عن خط الاستواء الی خمس وثلثین درجۃ وطولامن ست و ستین درجۃ شرقیۃ عن قرینص الی اثنتین و تسعین درجۃ)انما ھو بالبیاعات باجزاء فلس نصف وربع وثمن وغیرہا فرب فقیر یشتری لادامہ شیئا من البقول بنصف فلس ویصب فیہ دھن الشیرج بنصف فلس والتوابل الثلث جمیعا بربع فلس والثوم والبصل معا بربع فلس وکذاالملح بربع فلس فیتھیؤلہ الادام فی فلسین الا ربعا ویأکلہ غداء وعشاء، و یشتری لسراجہ الدہن بنصف فلس یکفیہ من المساء الی قریب نصف اللیل وقربۃ کبیرۃ من الماء العذب بنصف فلس وقد کانت قبیل ھذا بثلث فلس وتجدعلبۃ الکبریت بنصف فلس ویشتری لعیالہ من الذفواکہ	نہیں ہوتا تو اگر مثلاً ایک چھوہارہ قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک چھوہارے سے بیچے تواس سے نہ روایت معلّٰی کو کچھ تعلق ہوگا نہ ترجیح محقق کو، پھر وہ روایت بھی تواتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے بیع باطل اور اصلاً منعقد نہ ہونا جس کا تمہیں دعوی تھا وہ کہاں گیا، رہی دوسری مخالفت **اقول**: (میں کہتا ہوں) ملک ہند کہ اس قدر کبیر و وسیع ہے(جس کا عرض خط استواء سے شمال کی جانب آٹھ درجے سے پینتیس درجے تک ہے اور طول گرینچ سے (کہ لندن کی رصدگاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ درجے سے بانوے درجے تک ہے)اس میں اکثر فقراء کی معیشت اسی خرید و فروخت سے ہے جو پیسے کے حصے دھیلے چھدام دمڑی وغیرہ سے ہوتی ہے تو بہتیرے فقیر اپنے سالن کے لئے کوئی ساگ دھیلے کاخرید لیتے ہیں اور اس میں دھیلے کا تلوں کا تیل ڈالتے ہیں اور تینوں مسالے چھدام کے اور لہسن پیاز چھدام کے، اور یونہی چھدام کا نمک، تو پونے دو پیسے میں اس کی ہانڈی تیار ہو جاتی ہے اور اسے صبح وشام دو وقت کرکے کھالیتا ہے اور اپنے چراغ کے لئے دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام سے آدھی رات تک اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو، اور تھوڑا ہی زمانہ گزرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں، اور دیا سلائی کی ڈبیا تمہیں دھیلے کو مل جائے گی اور اپنے بال بچوں کے لئے ہندوستانی میووں میں سب سے

الهند المشهورة عندا لعرب باسم العنب بفتح العين وسكون النون وبالفارسية انبة وبالهندية اٰم جملة كثيرة بنصف فلس وكذامن الجامون ومن التمر الهندى بربع فلس، وان كان متعودا بالتامول والتتن فيكفيه ليوم بلية الوق بنصف فلس والفوفل والكات والتنباك الماكول كل بربع ربع فتنقضى حاجة يومه فى فلس وربع وان كان يشرب الدخان فيكفيه التتن بنصف فلس وامثال ذٰلك اشياء كثيرة تباع باجزاء الفلس حتى الثمن ونصف الثمن ولو لا ذٰلك لضاق الامور وثقل على اخفاء ذات اليد بحيث لا يطيقون ولو ابطلنا تلك البياعات الشائعة فى الاٰلف مولفة من المسلمين والزمنا هم ان لايشتروا شيئا باقل من فلس قط مع ان حاجاتهم تندفع بالربع وبالثمن لكان هذا من وضع الاصر عليهم وما جاءت هذه الشريعة السمحة السهلة الغراء الا برفعه، وربما لايجدون هذا القدر من الفلوس فان الادام الذى كان تهيأفى فلس واحد وثلثة ارباع فلس الا ان لايتأتى الافى ثمانية فلوس والتامول التام فى فلس و ربع لايتم الافى اربعة فلوس وقس عليه فاذا لم يجد لادامه الا فلسين والزمتموه بثمانية

مزہ دار میوہ (جسے اہل عرب عنب بفتح عین و سکون نون کہتے ہیں اور فارسی میں انبہ اور ہندی میں آم، بہت سے ایک دھیلے کو اور ایسے ہی جامن اور املیاں چھدام کو، اور اگر پان تمباکو کا عادی ہے تو اسے ایک رات دن کیلئے کفایت کرینگے دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا اور کھانے کا تمباکو چھدام چھدام کے تو اس کی ایک دن کی حاجت سوا پیسے میں نکل جائیگی اور اگر حقہ پیتا ہو تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے اور اسی طرح بہت چیزیں پیسہ کے حصوں سے بکتی ہیں یہاں تک کہ دمڑی اور آدھی اور ایسا نہ ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے اور کم استطاعت والوں پر ایسا گراں گزرے کہ اٹھا نہ سکیں اور یہ بیعیں کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع ہیں اگر ہم باطل کردیں اور ان پر لازم کریں کہ کبھی کوئی چیز پیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ ان کی حاجتیں چھدام اور دمڑی میں پوری ہو جاتی ہیں تو یہ ان پر بھاری بوجھ ڈالنا ہوگا اور یہ روشن اور نرم و آسان شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے کو بلکہ اکثر اوقات اتنے پیسے انہیں ملیں گے بھی نہیں اس لئے کہ وہ سالن جو پونے دو پیسے میں تیار ہوتا تھا اب دو آنے سے کم میں نہیں تیار ہوگا، اور پان کہ سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا اب ایک آنہ میں ہوگا اور اسی پر قیاس کرو تو وہ جب اپنی ہانڈی کے لئے دو پیسے سے زائد نہ پائے اور تم اس پر دو آنے لازم کرو تو بتاؤ کیا کرے آیا روکھا

فماذا تامرون ایکتفی بسف التدقیق او قضم خبز الشعیر وحدہ بدون ادام یصلحه و یسیغه و یعین علی هضمه، والمعتادون بالادام وهم الناس کلهم او جلهم لو اکتفوا بهذا لم یلائمهم واورث اسقاما فیهم فان ترك العادة عداوة مستفادة ام یتکفف و التکفف ذل وحرام ام یغصب وفی الغصب اشد الغضب و الانتقام ام یؤمر البیاعون والبقالون و السقاؤن ان یعطوه جمیع حاجاته مجانا لانها لا تساوی فلسا وما لا یساوی فلسا فلیس بمال ولا قیمة له فهم کیف یرضون بهذا وان رضوا فلا ترجیح لفقیر علی فقیر، فلیعطو اکلا حوائجه فتذهب متاجرهم بلا شیئ فاذن لا سبیل الا فتح باب البیع وقد فتحه القرآن بقوله تعالٰی مطلقًا "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ"[19]، وقوله تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[20]، و	آٹا پھانکے یا جو کی خشک روٹی چبائے جس کے ساتھ کوئی سالن ایسا نہ ہو کہ اس کی اصلاح کرے اور اسے نگلنے کے قابل بنائے اور اس کے ہضم پر اعانت کرے اور جنہیں سالن کی عادت پڑی ہوئی ہے اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر قناعت کریں تو انہیں راس نہ آئے اور ان میں بیماریاں پیدا کردے کہ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے اور بھیک مانگنا ذلت و حرام ہے یا دوسروں کا مال چھین لے اور چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے یا بیچنے والوں اور ترکاری فروشوں اور بہشتیوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کی تمام حاجت کی چیزیں انہیں مفت دے دیں اور اس لئے کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں اور جو ایک پیسہ کی نہیں وہ مال نہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت، تو بیچنے والے اس پر کیونکر راضی ہونگے، اور اگر راضی ہو جائیں تو ایک فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح نہیں تو چاہئے کہ ہر ایک کو اس کی ضروریات مفت دیں تو ان کی تجارتیں یونہی جاتی رہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ نہیں ہے سوا اس کے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے اور بیشک قرآن عظیم نے اسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے کہ "حلال کی اللہ تعالٰی نے بیع"، اور اس ارشاد سے "مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا"، اور

[19] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[20] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

ما كان شرع البيع الا دفع تلك الشنائع ففى تحجيره وقد وسعه الله اعادة لها وعود على مقصود الشرع بالنقض۔قال المحقق فى الفتح لولم يشرع البيع سببا للتمليك فى البدلين لاحتاج ان يؤخذ على التغالب والمقاهرة او السؤال و الشحاذة او يصبر حتى يموت وفى كل منها مالايخفى من الفساد وفى الثانى من الذل والصغار ما لايقدر عليه كل احد ويزرى بصاحبه فكان فى شرعيته بقاء المكلفين المحتاجين ودفع حاجاتهم على النظام الحسن اھ[21] ومعلوم ان الشرع لم يحد فى هذا حدا انما احل البيع وهو مبادلة مال بمال الخ والمال كمامر مايميل اليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة وهذا صادق قطعا على ماقصصنا ممايساوى نصف فلس وربعه فايجاب ان لايكون الابفلس لايكون الاتحكما وزيادة فى الشرع فكيف يقبل ثم لعل لقائل ان يقول لم يات الشرع بتقدير الفلس وهو مختلف باختلاف الزمان والمكان	بیع کا مشروع کرنا انہیں قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا تو اس کے تنگ کرنے میں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے واسع فرما چکا ہے انہیں قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع پر اس کے توڑنے کے ساتھ عون کرنا ہے، محقق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب بنا کر جائز نہ کی جاتی تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی یا دھینگا دھینگی لیتے یا بھیک مانگتے یا آدمی صبر کرتا یہاں تک کہ مرجائے اور ان سب باتوں میں کھلا ہوا فساد ہے بھیک میں وہ ذلت وخواری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں اور آدمی کو حقیر کرتی ہے تو بیع کی مشروع کرنے میں محتاج مکلفوں کی بقا ہے اور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے انتہی، اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے اس بارہ میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی بس بیع حلال کی ہے اور وہ ایک مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے الخ اور مال جیسا کہ گزر چکا وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھار کھنا ممکن ہو اور یہ تعریف یقیناً ان چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہوگا مگر زبردستی حکم اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو، پھر شاید کہنے والا کہہ سکے کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار مقرر فرمائی نہیں اور وہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے

[21] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵

ولا سبیل الی اعتبار کل فی محلة لما تقدم ان المالیة تثبت بتمول البعض فوجب الفحص کل حین عن اصغر فلس یروج فی الدنیا وفیه حرج والحرج مدفوع بالنص فافهم وقال فی الکفایة اول البیع الفاسد قد تثبت صفة التقوم بدون المالیة فان حبة من الحنطة لیست بمال حتی لایصح بیعها وان ابیح الانتفاع بها شرعا لعدم تمول الناس ایاہ اھ[22] ومثله فی الکشف الکبیر والبحر الرائق وردالمحتار وقال فی الفتح مکان حبة حبات ولم نر احدا منهم ذکر ان ما دون مایساوی فلسا لیس بمال وکان مبنی الفرع علی انه لم یکن فی زمنه ثمن دون الفلس او لم یجدہ فی تقدیرات الشرع فحکم بان مادونه لیس بشیئ کما حکم فی الاسرار بان مادون الحبة من الذهب والفضة لاقیمة له[23] کما نقل عنها فی الفتح لانهم لم یعرفوا

بدلتا ہے اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ وہیں کا پیسہ معتبر ہو کہ اوپر گزر چکا کہ مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت ہوجاتی ہے تو واجب ہوا کہ ہر وقت اس کی تلاش کریں کہ تمام دنیا میں سب سے چھوٹا پیسہ کون سا ہے اور اس میں حرج ہے اور حرج کون نص نے دفع فرمایا ہے فافہم اور بیشک کفایہ کے شروع باب باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے میں باقیمت ہونے کی صفت بغیر مالیت بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں ہے یہاں تک کہ اس کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس سے نفع حاصل کرنا شرعًا جائز ہے اس لئے کہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے انتھی، اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے اور فتح القدیر میں ایک دانہ کی جگہ چند دانے فرمایا اور ہم نے ان میں سے کسی کو یہ فرماتے نہ دیکھا کہ ا یک پیسے سے کم کی چیز مال نہیں اور شاید اس مسئلہ قنیہ کی بناء اس پر ہو کہ ان کے زمانے میں پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا یا یہ کہ شرع مطہر نے جو اندازے مقرر فرمائے ان میں پیسے سے کم نہ پایا تو یہ حکم لگادیا کہ ایک پیسے سے کم کی جو چیز ہو وہ کچھ نہیں جیسے اسرار میں حکم فرمایا کہ جو چاندی یا سونا رتی بھر سے کم ہو اس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ ان سے فتح القدیر میں نقل فرمایا اس لئے کہ ان علماء نے چاندی سونے

[22] الکفایة مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۳

[23] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۵۳۔۱۵۲

لہا مقدارا دون الحبة وقد عرفت فی دیارنا الی ثمن حبة وقیمة ذهب یساوی ثمن حبة فی بلادنا الان فلسان ای نحو هللة واحدة ههنا وهو لا شك مال متقوم فکیف بما فوقه مما یساوی ربع حبة وکما حکم کثیرون بان مادون نصف صاع خارج عن المعیار فیجوز فیه التفاضل مع اتحاد الجنس وعلیه تتفرع مسألة حفنة بحفنتین وقدرده المحقق فی الفتح قائلا لا یسکن الخاطر الی هذا بل یجب بعد التعلیل بالقصد الی صیانة اموال الناس تحریم التفاحة بالتفاحتین والحفنة بالحفنتین اما ان کانت مکاییل اصغر منها کما فی دیارنا من وضع ربع القدح وثمن القدح المصری فلا شك وکون الشرع لم یقدر بعض المقدرات الشرعیة فی الواجبات المالیة کالکفارات وصدقة الفطر باقل منه لا یستلزم اهدار التفاوت المتیقّن[24] الخ واقره فی البحر والنهر	کے لئے رتی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور ہمارے شہروں میں اس کا اندازہ رتی کے آٹھویں حصہ (ایک چاول) تک معروف ہے اور آج کل ہمارے یہاں چاول بھر سونے کی قیمت دو پیسے ہے یعنی یہاں کے ایک ھللہ کے قریب وہ بلاشبہ قیمت والا مال ہے نہ کہ وہ جو اس سے بھی زیادہ ہے جو پاؤ رتی یا نصف رتی یا اس سے زائد کا ہو ایک رتی تک اور جیسے بہت علماء نے حکم فرمایا کہ نصف صاع سے جو کم ہو وہ اندازہ سے باہر ہے تو اس میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور وہ مسئلہ کہ ایک لپ گیہوں دو لپ کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی پر متفرع ہے اور محقق نے فتح القدیر میں اس کا رد کیا یہ فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ رکھنا ہے تو اس پر نظر کرکے واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب اور دو لپ کے بدلے ایک لپ کا بیچنا حرام ہو اگر نصف سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے دیار مصر میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ وصدقہ فطر میں اندازے سے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع سے کم کوئی اندازہ نہ رکھا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقینا معلوم ہے بے اثر کردیا جائے الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر

[24] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۳۔۱۵۲

والشرنبلالية والدر والحواشي وغيرہا وھو حسن وجيه كذٰلك نقول هٰهنا يجب بعد تعريف المال بماامر ان يكون كل ماذكرنا ممالايساوی فلسا مالا متقوما اما ان كانت اثمان اصغر من فلس كما فی ديارنا من وضع ربع الفلس وثمن الفلس فلا شك، وكون الشرع لم يذكر مادون فلس لايستلزم اهدار المالية المتيقنة.فهذاماعندی والعلم بالحق عندربی واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اور شرنبلالیہ اور درمختار اور حواشی وغیرہامیں مقرر رکھا اور وہ اچھا اور موجہ کلام ہے ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری جو اوپر گزری تو واجب ہے کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ تھیں سب قیمت والے مال ہونگے تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام اور دمڑی مقرر ہیں جب تو شک نہیں اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقینا معلوم ہے باطل کردی جائے۔یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔
واماالسابع	**جواب سوال ہفتم**
فاقول: قد اُذناك انه ثمن اصطلاحی فاستبداله بالثوب لايكون مقايضة بل بيعا مطلقًا ولا يتعين النوط بل يلزم فی الذمة كالفلوس۔	**فاقول:** (میں کہتا ہوں) ہم تمہیں بتاچکے ہیں کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسہ کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔
واماالثامن	**جواب سوال ہشتم**
فاقول: نعم يجوز اقراضه لما تقدم انه مثلی ولا يقضی الا بالمثل لانه شان القرض بل كل دين لايقضی الابمثله الا ان يتراضيا۔	**فاقول:** (پس میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لئے کہ اوپر گزرچکا کہ وہ مثلی ہے اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا کہ قرض کی یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنے مثل سے مگر یہ کہ طرفین (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر) راضی ہوجائیں۔

واما التاسع **فاقول:** نعم یجوز اذا قبض النوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دین بدین و تحقیق ذٰلك ان بیع النوط بالدراہم کالفلوس بھا لیس بصرف حتی یجب التقابض فان الصرف بیع ماخلق للثمنیة بما خلق لھا[25] کما فسرہ بہ البحر والدروغیرہما ومعلوم ان النوط والفلوس لیست کذٰلك وانما عرض لھا الثمنیة بالاصطلاح مادامت تروج والا فعروض وبعدم کونہ صرفا صرح فی ردالمحتار عن البحر عن الذخیرة عن المشائخ فی باب الربا نعم لکونھا اثمانا بالرواج لابدمن قبض احد الجانبین و الاحرم لنھیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ والمسئلة منصوص علیھا فی مبسوط الامام محمد واعتمدہ فی المحیط عـــہ والحاوی والبزازیة والبحر والنھر	**جواب سوال نہم** **فاقول:** (تو میں کہتاہوں) ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تاکہ دونوں طرف کی قبضہ شرط ہو اس لئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیساکہ اسکی یہ تعریف بحر ودر وغیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہوگیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار باب ربا میں بحر، اس میں ذخیرہ، اس میں مشائخ سے تصریح فرمائی، ہاں اس لئے کہ وہ چلن کے سبب ثمن ہے دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور ہے ورنہ حرام ہوجائے گا اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کیا محیط اور حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر

عـــہ: ای محیط الامام السرخسی انتھی منہ۔

[25] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

عربی متن	اردو ترجمہ
وفتاوی الحانوتی والتنویر والهندیة وغیرہا وھو مفاد کلام الاسبیجابی کما نقله الشامی عن الزین عنه، ففی الهندیة عن المبسوط اذااشتری الرجل فلو سا بدراہم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عندالبائع فالبیع جائز اھ[26] وفیھا عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائة فلس بدرہم فقبض الدرہم ولم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا ولو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس اھ[27] وفیھا عن محیط السرخسی نحوہ وفیھا عن الذخیرة لو اشتری فلوسا او طعاما بدراھم حتی لم یکن العقد صرفا وتفرقا بعد قبض احد البدلین حقیقة یجوز اما اذا حصل الافتراق بعد قبض احد البدلین حکما لاغیر لایجوز سواء کان العقد صرفا اولم یکن بیانه فیما اذاکان له علیه فلوس او طعام فاشتری من علیه الفلوس او الطعام الفلوس اوالطعام بدراہم وتفرقا	اور فتاوٰی حانوتی اور تنویر اور در اور ہندیہ وغیرہا میں، اور وہی مفاد ہے کلام امام اسبیجابی کا جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحران سے نقل کیا، ہندیہ میں مبسوط سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے خریدے روپے تو اس نے دے دئے اور پیسے بائع کے پاس نہ تھے تو بیع جائز ہے انتہی، نیز عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک روپے کے سو پیسے خریدے روپے پر تو اس نے قبضہ کرلیا اور پیسوں پر اس کا قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ ان کا چلن جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ بیع باطل نہ ہو اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کرچکا تھا اس کے بعد چلن جاتا رہا تو نصف میں بیع باطل ہوجائیگی اور اگر چلن رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدنے والا باقی پیسے لے لے گا انتہی، نیز اس میں محیط سرخسی سے اسی کے مثل ہے اسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے بدلے پیسے یا غلہ خریدا یہاں تک کہ یہ عقد صرف نہ ہوا اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ ہو کر جدا ہوگئے تو جائز ہے ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ حقیقۃً نہ ہو صرف ایک طرف کا حکمًا ہوا تو جائز نہیں خواہ وہ عقد صرف ہو یا نہ ہو، بیان اس کا یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر پیسہ یا غلہ آتا تھا تو اس نے جس پر پیسہ یا غلہ آتا ہے انہی پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا اور روپے دینے

[26] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۴

[27] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵۔۲۶

قبل نقد الدراہم کان العقد باطلا وھذا فصل یجب حفظه والناس عنه غافلون اھ [28] وفیھا عنھا اعطی رجلا درہما وقال اعطنی بنصفه کذا فلسا و بنصفه درہما صغیرا فھذا جائز فان تفرقا قبل قبض الدرہم الصغیر والفلوس فالعقد قائم فی الفلوس منتقض فی حصة الدرہم وان لم یکن دفع الدرہم الکبیر حتی افترقا بطل البیع فی الکل [29] اھ وفیھا عنھا اشتری بفلوس واعطی الفلوس وافترقا ثم وجد فیھا فلسا لاینفق فردہ فاستبدله ففی ھذہ الصورة اذاکانت الفلوس ثمن متاع لایبطل العقد سواء کان المردود قلیلا ا وکثیر ااستبدل او لم یستبدل وان کانت الفلوس ثمن الدراہم مقبوضة فرد الذی لاینفق و استبدل اولم یستبدل فالعقد باق علی الصحة وکذ لك لو وجد الکل فی ھذہ الصورة لاینفق وردھا و استبدل ویستبدل فالعقد باق علی الصحة وان لم تکن الدراہم مقبوضة ان وجد کل

سے پہلے جدا ہوگئے تو بیع باطل ہوگئی،اس مسئلہ کا یاد رکھنا واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں انتہی،اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ دیا اور کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دے دے اور آدھے کی اٹھنی تو یہ جائز ہے پھر اگر اٹھنی اور پیسوں پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہوگئے تو پیسوں میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہوگئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہوگئے تو اٹھنی اور پیسے سب میں باطل ہوگئی انتہی و نیز اسی میں اس سے ہے کوئی چیز پیسوں کو خریدی اور پیسے دے دئے اور دونوں جدا ہوگئے پھر بائع نے ان میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس دیا اور اس کے بدلے اور پیسہ لیا تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کے ثمن تھے تو عقد باطل نہ ہوا خواہ وہ جو واپس دئے تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ،اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے یا نہیں،اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن تھے اب اگر روپوں پر قبضہ ہوچکا تھا اس صورت میں کھوٹا پھیرا اور اس کے بدلے میں کھرا لیا یا نہ لیا تو عقد بدستور صحیح ہے اسی طرح اس صورت میں سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس دئے اور ان کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ لئے جب بھی بیع صحیح رہے گی،اور اگر روپوں پر قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے

---

[28] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۲

[29] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۲۵

الفلوس لاینفق فردھا بطل العقد فی قول ابی حنیفة استبدل فی مجلس الرداو لم یستبدل،وقالا ان استبدل فی مجلس الرد فھو صحیح علی حالہ وان لم یستبدل انتقض وان کان البعض لا ینفق فردھا فالقیاس ان ینتقض العقد بقدرہ لکن اباحنیفة رحمہ اللہ تعالٰی استحسن فی القلیل اذا ردہ واستبدل فی مجلس الرد ان لا ینقض العقد اصلا واختلفت الروایات عن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالٰی فی تحدید القلیل ففی روایة اذا زاد علی النصف فکثیر وما دونہ قلیل وفی روایة النصف کثیر وفی روایة اذ زاد علی الثلث[30] اھ کلھا ملخصًا، وانما اکثر نا النقول عن الذخیرة لانہ سیاتی عنھا نقل خلاف فی بیع فلس بفلسین فلیکن علی ذکر منك انہ جزم فی مسألتنا ھذہ اعنی بیع الفلوس بالدراھم فی غیر موضع بالجواز ولم یلم ھٰھنا بذکر خلاف اصلا ،وفی تنویر الابصار والدر المختار باع فلوسا بمثلھا او بدراھم و بدنانیر	کھوٹے پائے اور واپس دئے تو بیع امام اعظم کے نزدیک باطل ہو گئی اگرچہ اسی مجلس میں کھرے بدل لئے ہوں یا نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسی مجلس میں کھرے بدل لئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی اور کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دئے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے میں بیع باطل ہو جائے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ استحسانًا فرماتے ہیں کہ اگر واپس دئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی جلسے میں بدلے کے پیسے لے لئے جائیں تو عقد اصلًا نہ ٹوٹے گااور یہ کہ تھوڑے کتنے کو کہیں اس میں امام صاحب سے روایتیں مختلف آئیں،ایک روایت میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل،اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نصف بھی زائد ہے،اور ایک روایت میں تہائی سے زیادہ ہو تو کثیر ہے انتھی ملخصًا۔اور ہم نے ذخیرہ سے نقول بکثرت اس واسطے ذکر کیں کہ اس سے ایک نقل اس کے مخالف آنے والی ہے ایک پیسہ دو پیسے سے بیچنے کے مسئلہ میں تو یہ تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنی روپوں کے عوض پیسے بیچنے کے بارے میں متعدد جگہ جواز پر جزم فرمایا ہے اور یہاں اصلًا کسی ذکر خلاف کے قریب بھی نہ گئے اور تنویر الابصار و ردالمحتار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں یا اشرفیوں کے عوض پیسے بیچے اور ایک طرف کا

[30] فتاوی ہندیة کتاب البیوع الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵۔۲۲۶

فان نقد احدهما جاز وان تفرقا بلا قبض احدهما لم یجز اھ [31]۔وبالجملة فالمسئلة ظاہرة والنقول متوافرة وان خالفها العلامة قاری الهدایة فی فتاواہ فشرط التقابض وحرم النسئة وهذا نصها(سئل) هل یجوز بیع مثقال من الذهب بقنطار من الفلوس نسئة ام لا(اجاب)لایجوز بیع الفلوس الی اجل بذهب او فضة لان علماء نا نصوا علی انه لایجوز اسلام موزون فی موزون الا اذاکان الموزون المسلم فیه مبیعا کزعفران او غیرہ والفلوس لیست من المبیعات بل صارت اثمانا [32]اھ وردہ العلامة الحانوتی حین سئل عن بیع الذهب بالفلوس نسئة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احدالبدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرہم یکفی التقابض من احد الجانبین قال و مثله مالو باع فضة او ذهبا بفلوس	قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ دونوں جدا ہوگئے تو ناجائز ہے انتہی،الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلین وافر ہیں اگرچہ علامہ قاریٔ الہدایہ نے اپنے فتاوٰی میں اس کی مخالفت فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیااور کسی طرف ادھار ہونے کو حرام ٹھہرایااس کی عبارت یہ ہے (سوال ہوا) کہ آیاایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری سے ادھار بیچنا جائز ہے یانہیں ؟(جواب دیا) کہ پیسے سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیچنا ناجائز ہے اس لئے کہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا چاندی تانبا)ان میں ایک کی دوسرے سے بدلی جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ وہ موزون چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر یعنی ٹھہری ہے مبیع ہو قسم ثمن سے نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن ہوگئے ہیں انتہی،اور علامہ حانوتی نے اس کارد فرمایا جبکہ ان سے پیسوں کے عوض سونا اور ادھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا،جواب دیا کہ جائز ہے، اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہوگیااس لئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے،پھر فرمایا اگراسی طرح چاندی یا سونا پیسوں کو بیچیں

[31] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

[32] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی قاری الہدایہ کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

کما فی البحر عن المحیط قال فلا یغتر بما فی فتاوٰی قاری الھدایة [33] اھ واجاب عنه فی النھر بان مرادہ بالبیع السلم والفلوس لھا شبه بالثمن ولا یصح السلم فی الاثمان ومن حیث انھا عروض فی الاصل اکتفی بالقبض من احد الجانبین [34]۔ **اقول**: وھذا ھو المستفاد من تعلیله بان علمائنا نصوا علی انه لا یجوز اسلام موزون فی موزون الخ لکن لم یقنع به العلامة ابن عابدین فی ردالمحتار واجاب بحمل مافی فتاوٰی قاری الھدایة علی مادل علیه کلام الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من الجانبین قال فلا یعترض علیه بما فی البزازیة المحمول علی مافی الاصل [35] یعنی المبسوط، ونقل قبیله عن البحر عن الذخیرة ان محمدا ذکر مسئلة بیع فلس بفلسین باعیانھما فی صرف الاصل ولم یشترط التقابض و ذکر فی الجامع مایدل علی انه	جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا تو وہ جو فتاوٰی قاری ہدایہ میں واقع ہوا اس سے دھوکا نہ کھایا جائے انتہی، اور اس اعتراض کا نہر میں یہ جواب دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بدلی ہے اور پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے اور ثمن کی ثمن سے بدلی صحیح نہیں اور اس حیثیت سے کہ پہلے اصل میں متاع ہیں ایک جانب کا قبضہ کافی سمجھا گیا۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہی ان کی اس دلیل سے مستفاد ہے کہ ہمارے علماء نے نص فرمایا کہ دو چیزیں جو وزن سے بیچی جاتی ہوں ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس پر قناعت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا کہ علامہ قاری ہدایہ کا کلام اس مسئلہ پر محمول ہے جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے اور کہا تو اب اس مسئلہ بزازیہ سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ اس پر محمول ہے جو مبسوط امام محمد میں ہے اور اس سے پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسہ دو پیسے معین کے بدلے بیچے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا اور جامع صغیر میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ

[33] ردالمحتار بحوالہ الحانوتی کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[34] ردالمحتار بحوالہ النھر کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[35] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

شرط فمنهم من لم يصحح الثانی لان التقابض مع التعيين شرط فی الصرف وليس به ومنهم من صححه لان الفلوس لها حكم العروض من وجه وحكم الثمن من وجه فجاز التفاضل للاول واشترط التقابض للثانی [36]اھ **اقول**:وبالله التوفيق ماجنح اليه الشامی تبعاً للبحر تبعاً للذخيرة من دلالة كلام الجامع الصغير علی اشتراط التقابض فللعبد الضعيف فيه تأمل قوی وانی راجعت الجامع فوجدت نصه هكذا محمد عن يعقوب عن ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنهم رجل باع رطلين من شحم البطن برطل من الية او باع رطلين من لحم برطل من شحم البطن او بيضة ببيضتين او جوزة بجوزتين او فلسا بفلسين او تمرة بتمرتين يدا بيدا با عيانها يجوز وهو قول ابی يوسف رحمه الله تعالٰی وقال محمد رحمة الله تعالٰی عليه لايجوز فلس بفلسين ويجوز تمرة بتمرتين [37]اھ.	شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح نہ کی کہ تعین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے اور یہ وہ نہیں اور بعض نے اس کی تصحیح کی اس لئے کہ پیسوں کے لئے ایک جہت سے متاع کا حکم ہے اور ایک جہت سے ثمن کا تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی اور دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا انتہی۔**اقول**:وبالله التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے) وہ جس کی طرف شامی نے باتباع بحر اور بحر نے باتباع ذخیرہ میل کیا کہ جامع صغیر کا کلام قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے بندہ ضعیف کو اس میں تامّل قوی ہے اور میں نے جامع کی طرف رجوع کی تو اس کی عبارت یوں پائی امام محمد روایت کرتے ہیں امام ابویوسف سے اور وہ امام اعظم سے رضی اللہ تعالٰی عنہم،ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکتی کو یا دو رطل گوشت ایک رطل چربی کو یا ایک انڈا دو انڈے یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو پیسے یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو دست بدست کہ دونوں معین ہوں تو جائز ہے اور یہی قول ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں اور ایک چھوہارا دو چھوہارے کو جائز ہے ختم ہوا ان کا

[36] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۴

[37] الجامع الصغیر کتاب البیوع باب البیع فیما یکال اویوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

کلامه الشریف قدس سره المنیف فمحل الاستناد انما هو قوله رحمه الله تعالٰی ید ابید لکن قد علم من مارس الفقه ان هذا اللفظ لیس نصا صریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علمائنا رحمهم الله تعالٰی فسروه فی الحدیث المعروف بالعینیة کما قال فی الهدایة ومعنی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یدا بید عینا بعین کذا رواه عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه[38] اھ کیف وقد قال اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ما سواه ممایجری فیه الربا فانما یعتبر فیه التعیین کما فی الهدایة[39] وغیرها۔ وقال فی التنویر المعتبر تعیین الربوی فی غیر الصرف بلا شرط تقابض[40] قال فی الدر حتی لو باع بُرّا ببر بعینهما وتفرقا قبل القبض جاز اھ[41] فان	کلام شریف پاک کیا گیا ان کا سر معظم، تو موضع سند ان کا یہی قول ہے کہ دست بدست مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے ہو جائے کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور میں تعیین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعین ہو جائے (کسی طرف دین نہ رہے) جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا انتہی، اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اس کے سوا اور صورتیں جن میں ربا جاری ہوسکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے، اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے وہاں ماورائے صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے قبضہ طرفین شرط نہیں، درمختار میں فرمایا یہاں تک کہ

[38] الهدایة کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳۔۸۲

[39] الهدایة کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۲

[40] الدر المختار شرح تنویر الابصار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

[41] الدر المختار شرح تنویر الابصار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

حمل قوله هذا فی العبارۃ التی ذکرنا علی التقابض واستجلب منه اشتراط ذلك فی فلس بفلسین کان ایضاً مشترطاً فی تمرۃ بتمرتین وبیضۃ ببیضتین وجوزۃ بجوزتین عند من یقول ان القید راجع للمسائل جمیعاً کالنھر والدر وغیرہما[42] فان المسائل کلہا مسوقۃ سیاقاً واحداً لا سیما فی عبارۃ الجامع فان القید مذکور فیه بعد تمرۃ بتمرتین وانما ذکر فلساً بفلسین قبله، وھذا لم یقل به ائمتنا فوجب حمله علی اشتراط التعیین وکان قوله رضی اللّٰہ تعالٰی عنه باعیانہما تفسیراً لقوله یداً بید والا لکان حشواً مستغنی عنه لاطائل تحته اصلاً فان التقابض فیه التعین وازید فذکرہ بعدہ لغو ولذا لما نقل الامام برھان الدین صاحب الھدایۃ رحمه اللّٰہ تعالٰی ھذہ المسئلۃ عن الجامع الصغیر اسقط عنہا تلك الکلمۃ واقتصر علی ذکر العینیۃ حیث قال (ای محمد کما صرح به العلامۃ بدر العینی فی البنایۃ) یجوز بیع البیضۃ	اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور ان دونوں کو معین کردیا اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہوگئے تو جائز ہے انتہی، توامام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے اور اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم بیع میں قبضہ طرفین شرط ہے تو خرموں اور انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا شرط ہونا لازم آئے گا انکے نزدیک جو کہتے ہیں کہ یہ قید ان تمام مسائل کی طرف راجع ہے جیسے نہر الفائق اور درمختار وغیرہما اس لئے کہ وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں خصوصًا عبارت جامع صغیر میں کہ اس میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے اور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں، تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لیں اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہو ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جس کا کچھ فائدہ نہیں کہ قبضہ طرفین میں تعین مع زیادت ہے تو اس کے بعد اس کا ذکر فضول ہے اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرمادیا اور صرف تعیین کا ذکر کیا جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی) ایک انڈا

[42] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۳ /۱۵۴

بالبیضتین والتمرۃ بالتمرتین والجوز بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما[43] اھ۔فظھر ظھور الشمس فی رابعۃ النھار ان لیس فی الجامع دلیل علی مافھم ھٰؤلاء الاعلام وان فرض فمع احتمال الغیر احتمالا اظھر وازھر لایردولایرام ولا حجۃ فی المحتمل بخلاف عبارۃ الاصل فانھا نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما سمعت فعلیہ فلیکن التعویل والتوفیق باللّٰہ الملك الجلیل.ثم لا یخفی علیك ان ھذ اکلہ کان مما شاۃ منامع العلامۃ الشامی والمقصود ابانۃ مفادا لجامع والا فالحق ان فتوی العلامۃ سراج الدین مابھا حاجۃ الی حمل کلام الجامع علی اشتراط التقابض ولا عـــہ۱ ھو مدعاہ ولا عـــہ۲ علیہ توقف لما ادعاہ فانہ	دو انڈے اور ایک خرما دو خرمے اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے انتہی،تو پہروں چڑھے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے اور اگر فرض بھی کرلی جائے تو اس کے ساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے ظاہر تر روشن تر کہ نہ رد ہو نہ اس کی طرف کوئی برا قصد کرسکے اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی.بخلاف عبارت مبسوط کے کہ وہ قبضہ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سن چکے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے،اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے،پھر اتنا معلوم رہے کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ ان کی روش پر چلنا تھا اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتوٰی علامہ قاری الہدایہ کو اس کی طرف حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجئے اور نہ وہ ان کا مدعی ہے اور نہ اس پر ان کا دعوٰی موقوف

عـــہ۱: لانہ سلمہ سلما وانتم للصرف تصرفون اھ منہ۔

عـــہ۱: کہ وہ تو اسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی طرف پھیرتے ہو ۱۲منہ۔

عـــہ۲:لان السلم لا یجوز فی الثمن سواء کان فیما یشرط فیہ التقابض کثمن فی ثمن اولا کمبیع فی ثمن اھ منہ۔

عـــہ۲: کہ ثمن میں سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بدلی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بدلی ۱۲منہ۔

[43] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

انما حرم النسیئة وحرمتها لاتوجب عـــہ۱ عینیة الجانبین ایضا فضلا عن التقابض الاتری ان بیع ثوب بدرهم حالا لیس بنسیئة ولا فیه العینیتان نعم ایجاب العینیة من الجانبین یوجب تحریم النسیئة لان التاجیل للترفیة فی التحصیل والعین متحصلة بالفعل فلو استدل له بعبارة الجامع علی هذا الوجه لکان عـــہ۲ له وجه وسلم من الاعتراض المذکور، واذن **اقول**: وبالله التوفیق لایخفی علیك ان اشتراط العینیة من الجانبین فی الربویات وھی المکیلات والموزونات دون المعدودات کما نص علیه فی سلم الفتح وغیره حیث قال انما یمنع ذلك فی اموال الربا اذا قوبلت بجنسها والمعدود لیس منها اھ[44] کما قال فی البحر تحت

کہ وہ تو ادھار کو حرام بتارہے ہیں اور اس کی حرمت دونوں طرف عین ہونے کو بھی واجب نہیں کرتی نہ کہ قبضہ طرفین، کیا نہیں دیکھتے کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچنا نہ تو ادھار ہے نہ اس میں دونوں جانب عین، ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا ادھار کی حرمت لازم کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شیئ کے حاصل کرنے میں آسانی ہو اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے، تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کے اس طرز پر استدلال کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ ہوتی ہے اور اعتراض مذکور سے محافظت رہتی ہے۔ اور اب **میں کہتا ہوں** اور اللہ ہی سے توفیق ہے تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط اموال ربا میں ہے اور وہ وہ چیزیں ہیں جو ناپ یا تول سے بکتی ہیں نہ وہ کہ گنتی سے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے جہاں آیا کہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کے ساتھ بیچے جائیں اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں سے نہیں انتہی، جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں

عـــہ۱: وانما کانت توجب لو کان انتفاء النسئة مستلزما لوجود العینین ولیس کذلك بل قد ینتفیان معا کما فی المثال المذکور اھ منه۔

عـــہ۲: لکونه دلیلا علی الحکم الذی افتی

عـــہ۱: واجب توجب کرتی کہ ادھار نہ ہونے کو دونوں طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونوں باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہو نہ دونوں جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲ منہ۔ عـــہ۲: کہ وہ اس حکم پر دلیل ہوتا جس کا انہوں نے (باقی بر صفحہ آئندہ)

[44] فتح القدیر باب البیع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۰۸

قول الکنز "وحلا بعد مھما" ای الفضل والنسأ عند انعدام القدر و الجنس فیجوز بیع ثوب ھروی بمر وییین نسیئۃً والجوز بالبیض نسیئۃ[45]، وقال تحت قولہ "یعتبر التعیین دون التقابض فی غیر الصرف من الربویات"

جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں بحرالرائق میں فرمایا یعنی جب قدر و جنس دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو مرو کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف کے اموال ربا میں تعین معتبر ہے نہ کہ قبضہ طرفین اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بہ وھو عدم الجواز وان جاء من قبل الصرفیۃ دون السلمیہ و من ھذا الباب مافی الھندیۃ عن المحیط حیث ذکر مسائل شراء المستقرض الکر القرض من المقرض بمائۃ وانہ یجوز اذا شری مافی ذمتہ و نقد الثمن فی المجلس والا لا لافتراقھما عن دین بدین ثم قال کذٰلك الجواب فی کل مکیل و موزون غیر الدراھم والفلوس اذاکان قرضا[46] اھ فجعل الفلوس مالا یجوز شراؤہ دینا فی الذمۃ بثمن مفقود کما فی الحجرین والصحیح ماقدمنا عن الھندیۃ

فتوی دیا یعنی ناجائز ہونا اگرچہ یہاں صرف کے سبب ہوا نہ کہ سلم کی جہت سے، اور اسی باب سے ہے جو ہندیہ میں محیط سے ہے ولہٰذا جہاں انہوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں کہ غلہ قرض لینے والا اس قرض غلہ کو قرض دینے والے سے سو روپے کو مول لے اور یہ وہ جائز ہے جبکہ وہ غلہ خرید لے جو اس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے (نہ بعینہٖ وہ غلہ جو غلہ قرض آیا ہے) اور قیمت اسی جلسے میں ادا کردی ہو ورنہ حرام ہوگا کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جدا ہوگئے پھر فرمایا ہر ناپ تول کی چیز میں یہ حکم ہے سوائے روپے اشرفی پیسوں کے جب وہ قرض ہوں انتہی، تو پیسوں کو بھی روپوں، اشرفیوں کی طرف انہیں چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب وہ ذمہ پر قرض ہوں تو ان کا خریدنا ناجائز ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[45] بحر الرائق کتاب البیوع باب الربوٰ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۹/۶

[46] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۰۵

بیانه ماذکره الاسبیجابی بقوله واذا تبایعا کیلیا بکیلی او وزنیا بوزنی کلاهما من جنس واحد او من جنسین مختلفین فان البیع لایجوز حتی یکون کلاهما عینا اضیف الیه العقد وهو حاضر او غائب بعد ان یکون موجودا فی مبلکه[47] الخ وانما عللوا وجوبها فی فلس بفلسین بان لو باع فلسا بعینه بفلسین بغیر عینهما امسك البائع الفلس المعین وطالبه بفلس اٰخر او سلم الفلس المعین وقبضه بعینه منه مع فلس اٰخر لاستحقاقه فلسین فی	کے نیچے بحر نے فرمایا بیان اس کا وہ ہے جو امام اسبیجابی نے اپنے اس قول میں ذکر کیا کہ جب ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی چیز تول کی چیز سے بیچی خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا دو جنس مختلف تو بیع جائز نہ ہوگی مگر اس شرط سے کہ وہ دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد کیا گیا خواہ وہیں حاضر ہوں یا غائب، ہاں اس کی ملک میں موجود ہونا چاہئے الخ پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو واجب کیا اس کی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچے گا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے یا وہ معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسے کے اس سے واپس لے کیونکہ مشتری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن الذخیرة ان المنع فی غیر الصرف مختص بما اذا لم یقبض شیئ من البدلین قبضًا حقیقیا وان قبض حکما اما اذا قبض احدهما حقیقةً جاز و مثله فی ردالمحتار عن الوجیز وبالجملة جعله صرفا صرف له عما نص علیه عامة الاصحاب فی غیر ما کتاب، واللہ تعالٰی اعلم۔

اگرچہ قیمت اسی جلسے میں ادا ہو جائے اور صحیح وہ ہے جو ہم بحوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کر چکے کہ ماسوا صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقةً قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو (جیسے ذمہ پر کا قرض کہ حکمًا مقبوض ہے) مگر جب ایک پر قبضہ ہو جائے تو جائز ہے اور ایسا ہی ردالمحتار میں وجیز سے ہے غرض یہ کہ اسے صرف ٹھہرانا اس سے پھیرنا ہے جس پر ہمارے عام علماء نے متعدد کتابوں میں نص فرمایا واللہ تعالٰی اعلم۔

[47] بحر الرائق کتاب البیوع باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۰

ذمته فیرجع الیه عین ماله و یبقی الفلس الاٰخر خالیا عن العوض وکذا لوباع فلسین باعیانهما بفلس بغیر عینه قبض المشتری الفلسین و دفع الیه احدهما مکان ما استوجب علیه فیبقی الاٰخر فضلا بلا عوض استحق بعقد البیع کما فی الفتح[48] و نحوه فی العنایة وغیرها وهذه العلة لا جریان لها فی الدراهم بالفلوس نسیئة کمالایخفی فضلا من النوط بالدراهم فعبارة قارئ الهدایة احسن محمل لها ماذکر فی النهر ویکون اذن مبنیا علی روایة نادرة عن محمد رحمة الله تعالٰی علیه کما سیأتی و ان لم یسلم فهی فتوی من دون سند ولاتعلم عــــه له سلفا فیها وهو لم یستند لنقل	کے ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اس کی طرف بعینہ لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا اور یونہی اگر دو معین پیسے ایک غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا اور اس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اس کی ادا کو انہیں میں سے ایک پیسہ بائع کو پھیر دے گا تو دوسرا پیسہ زائد رہ گیا بے ایسے معاوضہ کے جس کا استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے اور ادھار پیسوں کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت جاری نہیں ہو سکتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں، نہ کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنے میں، تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر محمل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا اور اس وقت وہ ایک روایت نادرہ پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے آئی اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتوٰی ہے جس کے ساتھ کوئی سند نہیں اور نہ اس میں ان سے پہلے ان کا کوئی مستند معلوم نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے

عــــه: ای بالوجه الذی ذکر وان صرف الی الصرف فقد علمت ماله من الضعف الصرف اهمنه۔	یعنی اس طریقے سے جو انہوں نے ذکر کیا اور اگر صرف کی طرف پھیر و تو تمہیں معلوم ہو چکا جو اس میں نرا ضعف ہے ۱۲منہ۔

[48] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۶۲

وماتجشم له الشامی فقد علمت حاله فکیف یعارض به ماتطابقت علیه کلمات اولئك الاجلة الکرام الذین قصصتهم علیك وامامهم فیها نص محمد فی الاصل فهو القول۔ **ثم اقول:** علاان ما ذکر العلامة قاری الهدایة ذهولین صریحین عن مسائل المذهب [1]ذهول عما نص علیه علماؤنا ان الفلوس بالاصطلاح خرجت عن الوزنیة الی العددیة و [2]ذهول عما نصّوا لبیه ان ثمنیتها تبطل باصطلاح العاقدین وان بطلانها لایبطل الاصطلاح علی العددیة، وکل ذٰلك منصوص علیه فی الهدایة وغیره وهذا نصها ولهما ان الثمنیة فی حقهما تثبت باصطلاحهما واذا بطلت الثمنیة تتعین بالتعیین ولا یعود وزنیا لبقاء الاصطلاح علی العدّ [49]اھ وسنلقی علیك ان محمدا ایضا سلم فی السلم بطلان الثمنیة وانما انکره فی البیع لعدم الدلیل	اور وہ جو انکے لئے علامہ شامی نے تکلف کیا اس کا حال معلوم ہوچکا تو اس سے کیونکر معارضہ ہوسکتا ہے اس حکم کا جس پر ان اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن کے اسماء گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اس میں ان کا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے تو وہی قول فیصل ہے۔ **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) علاوہ بریں وہ جو امام قاری الہدایہ نے ذکر کیا اس میں مسائل مذہب سے صاف دو [2] ذہول ہیں [1] ایک ذہول تو اس سے جو ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی چیز ہوگئے، اور [2] دوسرا ذہول اس سے جو علماء نے نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہو جاتا ہے اور ثمنیت کے بطلان سے وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں باطل نہیں ہوتی، ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے، ہدایہ کی عبارت یہ ہے امام اعظم اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ اوروں کو ان پر کچھ ولایت نہیں تو وہ اپنی اصطلاح میں اسے باطل بھی کرسکتے ہیں اور جب ثمن ہونا باطل ہوگیا تو معین کئے سے معین ہوجائیں گے اور اس سے تول کی چیز نہ ہوجائیں گے کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے اھ اور عنقریب ہم تمہیں

[49] الھدایہ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۳

فھو مجمع علیہ بین ائمتنا فاذن اسلام احد النقدین فی الفلوس لیس سلما فی ثمن ولا اسلام موزون فی موزون بلا موزون فی عددی متقارب مثمن ولا باس بہ باجماع علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی، وبالجملۃ فالعبد الضعیف لایعلم لھذہ الفتوی وجہ صحۃ اصلا تأمل لعل لکلامہ وجھا لست احصلہ بفھمی السخیف ولعلی انا الاولٰی بالخطأ من ھذا العلامۃ العریف رحمہ اللہ تعالٰی، **ثم اقول:** ولئن سلمنا فلنا ان نقول ماذکر انما یتمشی فی الفلوس اما النوط فلیس بموزون اصلا فان الورقات لا توزن عرفا قط فلم یشملھا المعیار کحفنۃ من حب وذرۃ من ذھب فمسئلتنا ھذہ سالمۃ عن الخلاف علی کل حال والحمد للہ ذی الجلال ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔

بتائیں گے کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمالیا ہے ہاں بیع میں دلیل نہ ہونے کے سبب اس کا انکار کیا ہے تو اس پر ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے تو اس حالت میں روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدلی کرنا ثمن کی بدلی نہیں اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدلی بلکہ تول کی چیز کے عوض ایک متاع عددی کی بدلی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، الحاصل بندہ ضعیف اس فتوی کے لئے اصلًا کوئی وجہ صحت نہیں جانتا، تامل کر، شاید ان کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو کہ میں اپنی فہم سست سے اسے نہیں سمجھتا اور کیا عجب کہ بہ نسبت ان علامہ کثیر المعرفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔ **ثم اقول:** (تو میں کہتا ہوں) اگر تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں اس کہنے کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلًا وزن کی چیز نہیں اس لئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تولے نہیں جاتے تو معیار انہیں شامل نہ ہوئی جیسے غلہ سے ایک ہتھیلی بھر اور سونے سے ایک ذرہ، تو ہمارا یہ مسئلہ بہر حال مخالفت سے محفوظ ہے اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے ایسی ہی تحقیق ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔

واما العاشر

فاقول: نعم یجوز السلم فی النوط و قد یقال لایجوز فانه ثمن و لاسلم فی الاثمان کما تقدم عن النهر والتحقیق ان هذا انما یبتنی علی روایة نادرة عن محمد والا فالمنصوص علیه فی المتون جواز السلم فی الفلوس وانما لا یجوز فی الاثمان الخلقیة وھی النقدان لا غیر لعدم قدرة العاقدین علی ابطال ثمنیتهما بخلاف الاثمان الاصطلاحیة قال فی التنویر و الدر (یصح ای السلم فیما امکن ضبط صفته) کجودته و ردائته (ومعرفة قدره کمکیل و موزون و) خرج بقوله (مثمن) الدراہم و الدنانیر لانهما اثمان فلم یجز فیها السلم خلافا لمالك (وعددی متقارب کجوز و بیض وفلس[50] الخ۔ قال ابن عابدین قوله وفلس الاولٰی وفلوس لانه مفرد لا اسم جنس. قیل

جواب سوال دہم

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نوٹ ثمن ہے اور ثمن میں بدلی جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گزرا، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایت نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بدلی جائز ہے ہاں جو ثمن ہونے کے لئے پیدا کئے گئے ان میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے وبس، اس لئے کہ بائع و مشتری ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ بخلاف ان چیزوں کے جو اصطلاحًا ثمن قرار پائی ہیں۔ تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہوسکے جیسے اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز، اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں تو ان میں بدلی جائز نہیں امام مالک کا اس میں خلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے الخ۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولٰی یہ ہے کہ پیسے کہیں اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے، اسم جنس نہیں،

[50] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

وفیہ خلاف محمد لمنعہ بیع الفلس بالفلسین الا ان ظاہر الروایۃ عنہ کقولھما وبیان الفرق فی النھر وغیرہ اھ[51] فکان النھر انما ابداہ تاویلا لفتوٰی قاری الھدایۃ حتی یحصل لہ مستند ولو فی النوادر ولم یرد بہ تعویلا علیہ۔وفی الھدایۃ وکذا فی الفلوس عددا وقیل ھذا عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی وعند محمد لا یجوز لانھا اثمان ولھما ان الثمنیۃ فی حقھما باصطلاحھما فتبطل باصطلاحھما[52]۔قال فی الفتح ای یجوز السلم فی الفلوس عددا ھکذا ذکرہ محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الجامع من غیر ذکر خلاف فکان ھذا ظاہر الروایۃ عنہ وقیل بل ھذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف اما عندہ فلا یجوز بدلیل منعہ ببیع الفلس بالفلسین فی باب الربٰو لانھا اثمان واذاکانت اثمانا لم یجز السلم فیھا لکن ظاہر الروایۃ	بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اس لئے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول امام اعظم اور ابو یوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں ہے انتہی تو گویا نہر نے یہ بات فتوٰی قاری الہدایہ کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ اس کے لئے کوئی سند ہو جائے اگرچہ نوادر میں اور اس سے اس پر اعتماد کرنا نہ چاہا،اور ہدایہ میں ہے یونہی پیسوں میں بدلی جائز ہے ان کی گنتی مقرر کرکے،اور کہا گیا کہ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ پیسے ثمن ہیں اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح کی بناء پر ہے تو ان کی اصطلاح سے باطل بھی ہو جائے گا،فتح القدیر میں فرمایا پیسوں میں گنتی سے بدلی جائز ہے،اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایااور کسی خلاف کا نام نہ لیا،تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ ہوئی،اور بعض نے کہا یہ قول شیخین کا ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ سے بیچنا منع فرماتے ہیں کہ وہ ثمن ہیں اور جب وہ ثمن ہوئے تو ان میں بدلی جائز نہ ہوئی مگر روایت مشہورہ میں

[51] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۰۳
[52] الہدایہ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۹۴

عنہ الجواز و الفرق لہ بین البیع و السلم ان من ضرورۃ السلم کون المسلم فیہ مثمنا فاذا اقدما علی السلم فقد تضمن ابطالھما اصطلاحھما علی الثمنیۃ ویصح السلم فیھا علی الوجہ الذی یتعامل فیھا بہ وھو العد بخلاف البیع فانہ یجوز ورودہ علی الثمن فلا موجب لخروجھا فیہ عن الثمنیۃ فلایجوز التفاضل فامتنع بیع الفلس بالفلسین [53] اھ **اقول**:لکن فی الفرق نظر فان محمدا لایقول بخروجھا عن الثمنیۃ بمجرد قصد العاقدین مع اتفاق سائر الناس علیھا قال فی الھدایۃ یجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز لان الثمنیۃ تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحھما واذا بقیت اثمانا لا تتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانھما وکبیع الدرھم بالدرھمین ولھما ان الثمنیۃ فی حقھما تثبت باصطلاحھما [54] الٰی	امام محمد سے بھی جواز ہے اور بیع اور بدلی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدلی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو تو جب انہوں نے پیسوں کی بدلی پر اقدام کیا تو ضمناً ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کردیا اور ان کی بدلی اسی طور پر جائز ہے جس طرح ان میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہوسکتی ہے تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسہ کی دو پیسے سے بیع منع ٹھہری انتہی۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) مگر اس فرق میں اعتراض ہے اس لئے کہ امام محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہوجائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اس کے ثمن ہونے پر متفق ہیں ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم وامام ابویوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا جائز نہیں اس لئے ان کا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت

[53] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۹-۲۰۸

[54] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

اخر ماتقدم و قد اقرہ المحقق فی الفتح وقررہ علی ھذا النھج فکیف یقول محمد ھھنا ان اقدامھما علی السلم ابطال منھما لاصطلاح الثمنیۃ الاان یقال ان ھذا رجوع عن التعلیل الاول ولم یکن عن نص محمد وانما ابداہ المشایخ وظھر الاٰن بھذاالفرق ان الوجہ لمحمد لم یکن ذٰلک بل ھو ایضاً قائل بان لھما ابطال الاصطلاح فی حقھما ولکن اذا ثبت ھذا عنھما وقد ثبت فی السلم لان المسلم فیہ لایکون ثمناً قط فاقدامھما علی جعلھا مسلما فیھا دلیل علی الابطال ولم یثبت فی البیع اذلیس من ضرورتہ ان لایکون المبیع ثمناً فلم یثبت منھما ابطال البیوع وھذا التقریر علی ھذاالوجہ ربما یمیل الٰی ترجیح قول محمد فی البیع فافھم [عہ] واللہ تعالٰی اعلم۔

ہوا تھا تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہو جائے گا اور جبکہ وہ ثمنیت پر باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے تو یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے ایک پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا اور جیسے ایک معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ تک اور بیشک محقق نے اسے فتح القدیر میں مقرر رکھا اور اسی طور پر اس کی تقریر کی تو امام محمد یہاں کس طرح فرمائیں گے کہ عاقدین کا ان کی بدلی پر اقدام کرنا ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل مان لینا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ پہلی تعلیل سے رجوع ہے اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی اور اب اس فرق سے ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی بلکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں ثمنیت باطل کرنے کا اختیار ہے مگر یہ جب ہے کہ عاقدین سے ابطال ثمنیت کا ارادہ ثابت ہو جائے اور وہ بدلی میں ضرور ثابت ہوگیا اس لئے کہ اس میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ کبھی ثمن نہیں ہو سکتی تو پیسوں میں بدلی پر ان کا اقدام ان کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے اور بیع میں ان کا یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اس میں بیع کا ثمن نہ ہونا کچھ ضرور نہیں تو عاقدین سے ابطال اصطلاح ثابت نہ ہوا تو پیسے بحال خود ثمن رہے تو متعین نہ ہوئے تو بیع باطل ہوئی، اور یہ تقریر اس طرز پر کبھی اس طرف جھکے گی کہ مسئلہ بیع میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی جائے، تو غور کرو، واللہ تعالٰی اعلم۔

عہ: یشیر الی الجواب بان الحاجۃ الی

یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح (باقی برصفحہ آئندہ)

واما الحادی عشر **فاقول:** نعم یجوز بیعه بازید من رقمه بانقص منه کیفما تراضیا لم علمت ان تقدیر ھا بھذا المقادیر انما حدث باصطلاح الناس وھما لاولایة للغیر علیھما کما تقدم عن الھدایة والفتح فلھما ان یقدرا بما شاءا من نقص وزیادة وقد تم الجواب بھذا القدر عند کل من له سلامة الفکر وقد افتیت به مرارا و افتی علیه ناس من کبار علماء الھند کالفاضل الکامل محمد ارشاد حسین الرامفوری رحمه الله تعالٰی	**جواب سوال یازدہم** **فاقول:** (تومیں کہتا ہوں) ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے اس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اوپر معلوم ہوچکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع و مشتری پر ان کے غیر کی کوئی ولایت نہیں، جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر سے گزرا تو ان دونوں کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کرلیں جو شخص فکر سلیم رکھتا ہے اس کے نزدیک جواب اتنے ہی سے پورا ہوگیا اور میں نے بارہا اس پر فتوٰی دیا اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں کا یہی فتوٰی ہوا جیسے فاضل کامل مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تصحیح العقد یکفی قرینة علی ذٰلك ولایلزم کون ذٰلك ناشیا عن نفس ذات العقد کمن باع درھما ودینا رین بدرھمین ودینار یحمل علی الجواز صرف للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربا کتحققه فما الحامل علیه الا حاجة التصحیح وکم له من نظیر اھ منه۔

کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کی خود ذات عقد کی طرف سے ناشئی ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو اشرفیاں دو روپوں اور ایک اشرفی کو بیچے تو اسے صورت جواز پر حمل کرینگے جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ خود ذات عقد میں جنس کے مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سود کا شبہ مثل حقیقت کے ہے تو اس پر یہی حاجت تصحیح عقد کا باعث، اور اس کی نظیریں بکثرت ہیں ۱۲منہ۔

وغیرہ وما خالفنی فیھا الارجل عــــہ من لکنؤ ممن یعد من الاعیان ویشار الیه بالبنان ولم اطلع علی خلافه الابعد موته لماطبعت وریقات باسم فتاواہ ولو راجعته فی حیاته لرجوت ان یرجع لان الرجل کان اذا عرف عرف واذا عرف انصرف فالاٰن ازیدك بیانا بعد بیان لایبقی ان شاء الله للحق الا القبول والاذعان۔**فاقول اولا:** نص علماؤنا قاطبة ان علة حرمة الربا القدر المعھود بکیل اووزن مع الجنس فان وجداحرم الفضل والنسأ وان عدما حلاوان وجد احدھما حل الفضل و حرم النسأ وھذہ قاعدة غیر منخرمة وعلیھا تدور جمیع فروع الباب ومعلوم ان لااشتراك فی النوط والدراھم فی جنس ولاقدر اما الجنس فلان ھذا قرطاس و تلك فضة وما القدر فلان الدراہم

وغیرہ اور اس میں میرا خلاف نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک شخص نے جو عمائد سے گنے جاتے اور ان کی طرف انگلیاں اٹھتیں اور مجھے ان کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر ان کی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق ان کے فتاوٰی کے نام سے چھپے اور اگر میں ان کی زندگی میں اس بارے میں ان سے گفتگو کرتا توامید تھی کہ وہ رجوع کر لیتے کہ ان صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے اور اب میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو ان شاء اللہ تعالٰی حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے، **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) **اوّلاً:** ہمارے جمیع علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی کہ حرمت ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی ناپ یا تول ہے اتحاد جنس کے ساتھ، تو اگر قدر و جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام ہیں، اور اگر وہ دونوں نہ پائی جائیں تو حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے تو بیشی حلال اور ادھار حرام ہے، اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں اور باب ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں اور معلوم ہے کہ نوٹ اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے نہ جنس میں، جنس میں تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی اور قدر میں اس لئے نہیں کہ روپے تول کی

عــــہ: یدعی المولوی عبدالحی اللکنوی اھ منه۔

عــــہ: جن کو مولوی عبدالحہ صاحب کہاجاتا ہے ۱۲ منہ

موزونة ولا قدر للنوط اصلا لامكيل و لاموزون فيجب ان يحل الفضل والنسأ جميعا فاذن ليس النوط من الاموال الربوية اصلا وسنزيدك تحقيق الامر فى ذٰلك عن قريب ان شاء الله تعالٰى۔ **وثانيًا:** قال فى ردالمحتار وغيره كلما حرم الفضل حرم النسأ ولاعكس وكلما حل النسأ حل الفضل ولاعكس[55] اھ وقد اقمنا البرهان القاطع فى جواب التاسع على حل النسأ ههنا فوجب حل الفضل و انتظر ما يأتى **وثالثًا:** هذا سيدنا رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يقول اذا اختلف هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم[56] رواه مسلم عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالٰى عنه فمن الحاجر بعد اذن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم **ورابعًا:** هذه دلائل واضحة لاتخفى حتى على الصبيان والاٰن اٰتيك بشيئ يكون لك فيه مجال تكلم بحسب عقلك ثم اكشف الحجاب لابانة الصواب. **فاقول:** ارأيتك هل ليس من المعلوم عندك

چیز ہیں اور نوٹ نہ تول کی نہ ناپ کی، تو واجب ہوا کہ بیشی اور ادھار دونوں جائز ہوں، تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربا ہی سے نہیں اور ہم ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے، **ثانیًا:** ردالمحتار وغیرہ میں فرمایا جہاں بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اس کا عکس نہیں اھ، اور جہاں ادھار حلال ہو بیشی بھی حلال ہوتی ہے اور اس کا عکس نہیں انتہی اور ہم جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کرچکے ہیں کہ نوٹ میں ادھار جائز ہے تو واجب ہوا کہ بیشی بھی حلال ہو اور آئندہ تقریر کے منتظر رہو____ **ثالثًا:** یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ فرما رہے ہیں جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو یہ حدیث صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے، **رابعًا** یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں اور اب میں تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو پھر اظہار صواب کے لئے اس کا پردہ کھولوں، **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی عقل کو معلوم

---

[55] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۹۔۸۰

[56] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵

وعند کل من له عقل ان المال الذی یکون فی السعر العام المعروف المجمع علیه من الناس بعشرۃ دراہم یجوز لکل احد ان یبیعه برضا المشتری بمائة او یعطیه بفلس واحد ولاحجر فی شیئ من ذلك عن الشرع المطہر قال تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟"[57]، وقد قال فی الفتح کما تقدم ان لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[58] وکل احد یعلم ان قطعة قرطاس لا تبلغ قیمته الفا ولا مائة ولا درهما واحدا قط فما ذلك الا لان القیمة والثمن متغایران ولا یجب علیهما التقید بها فیما ثامنا بل لهما ان یقدر الثمن باضعاف القیمة او بجزء من مائة جزء لها۔ **فان قلت** هذا فی السلعة اما النوط فثمن اصطلاحا **قلت اولا:** فکان ماذا وقد ابنت الجواب بقولك اصطلاحا فان اصطلاح غیرهما لیس مکرہا لهما فضاع الفرق وضاء الحق **وثانیا:** ان سلمنا انهما	نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اسے سو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دے دے اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا، اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا کہ اگر ایک کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہر گز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے نہ سو تک نہ ایک روپے تک، تو اس کا یہی سبب ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو ان کے باہم قرار داد ہوا) بلکہ انہیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کرلیں یا اسکے سوویں حصہ پر۔ اب اگر تو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے اور نوٹ تو اصطلاح میں ثمن ہے میں کہوں گا **اولاً:** پھر کیا ہوا تو نے اصطلاحًا کہہ کر خود ہی جواب ظاہر کردیا کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی تو فرق ضائع ہوا اور حق واضح ہوگیا **ثانیًا:** ہم نے نہ مانا

---

[57] القرآن الکریم ۴ /۲۹

[58] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴

لایقدر ان علی ابطال الثمنیة فمن این لك ان الا ثمان الاصطلاحیة لایمکن التغییر فیها عن التقدیر المصطلح الاتری ان فلوس ربیة متعینة بتعیین العرف ابدا فکل صبی عاقل یعقل ان ربیة بست عشرة آنة لابخمس عشرة ولا بسبع عشرة ثم هذا التعیین العرفی وکونهما اثمانا مصطلحة لایحرم علی العاقدین النقص والزیادة قال فی التنویر وشرحه للعلائی من اعطی صیرفیا درهما کبیرا فقال اعطنی به نصف درہم فلوسا ونصفا الاحبة صح ویکون النصف الاحبة بمثله وما بقی بالفلوس[59] اھ ولفظ الهدایة لوقال اعطنی بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا الاحبة جاز[60] **وثالثا**: اعل عن الثمن الاصطلاحی هذان حجران ثمنان خلقة و لا یقدر احد علی ابطال ثمنیتها وقد عقل کل من عقل ان الدینار یساوی ابدا عدة دراهم ولا یوجد دینار قط یقوم بدرهم واحد ومع ذلك نص ائمتنا	کہ عاقدین ابطالِ ثمنیت پر قادر نہ ہوں تو یہ تونے کہاں سے نکالا کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے تغییر جائز نہیں، کیا نہیں دیکھتا کہ ایک روپے کے پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں کہ ہر سمجھ والا بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہے، نہ پندرہ کا، نہ سترہ کا۔ پھر یہ عرفی تعیین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع ومشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔ تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں فرمایا جس نے صراف کو ایک روپیہ دیا اور کہا اس کے عوض مجھے آٹھ آنے کے پیسے دے دے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر کم ہو تو ایسی بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو وہ تو اس سکہ کے عوض رہے گی اور باقی کے عوض پیسے انتہی، اور ہدایہ کی عبارت یوں ہے کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے دے دو اور رتی کم اٹھنی تو جائز ہے **ثالثاً**: ثمن اصطلاحی سے اوپر چل یہ ہیں سونا چاندی کی ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے اور ہر گز کوئی اشرفی نہ پائی جائے گی جو ایک روپے قیمت کی ہو اور باوصف اس کے ہمارے ائمہ نے

[59] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[60] الہدایۃ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۲

ان بیع دینار بدرھم صحیح لاربا فیه وما ذٰلك الالان الجنس اذا اختلف حل التفاضل واختلاف جنس النوط والربابی مما لایجهله الامجنون قال فی الهدایة والدر وعامة الاسفار الغر صح بیع درہمین و دینار بدرہم و دینارین بصرف الجنس بخلاف جنسه وکذا بیع احد عشر درهما بعشرة دراہم و دینار [61] اھ.قال ابن عابدین فتکون العشرة بالعشرة والدرهم بالدینار [62] اھ فاذا صح بیع ربیة بجنیة قیمته بالعرف العام خمس عشرة ربیة ولم یکن ربا فکیف یکون بیع نوط مرقوم علیه رقم عشرة باثنتی عشرة ربیة ربا ما هذا الا بهت بحت فانقلت ماذکرتم من المسائل وان صح البیع فیها لکنه مکروه والمکروه ممنوع فلا یحل وان صح کذا هذا قال فی الهدایة لو تبایعا فضة بفضة او ذهبا بذهب	تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپے کی بیچنا صحیح ہے اور اس میں اصلًا ربا نہیں اور اس کے سوا اس کا کوئی سبب نہیں کہ جب جنس مختلف ہوں تو کمی بیشی جائز ہے اور نوٹ اور روپوں کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی مجنون ہی ناواقف ہو۔ ہدایہ اور درمختار اور عام نورانی کتابوں میں فرمایا دو روپوں اور ایک اشرفی کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض بیچنا درست ہے کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل کردی جائے گی اسی طرح گیارہ روپوں کو دس روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی، ردالمحتار میں فرمایا دس روپے تو دس روپے بدلے ہوجائیں گے اور گیارہویں روپے کے بدلے ایک اشرفی انتہی، تو جب ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا درست ہوا جس کی قیمت عام طور پر پندرہ روپے ہیں اور ربا نہ ہوا تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر سود ہوگا، یہ تو نرا بہتان ہے، اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم نے ذکر کئے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہے مگر مکروہ ہے اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے تو حلال نہ ہوگا اگرچہ صحیح ہو، ایسے ہی یہاں ہے۔ ہدایہ میں فرمایا اگر سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی

[61] الهدایه کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۔۱۰۸، الدرالمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[62] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۹

واحد هما اقل و مع اقلهما شیئ اُخر تبلغ قیمته باقی الفضة جاز البیع من غیر کراہیة وان لم تبلغ فمع الکراھة وان لم یکن قیمة کالتراب لایجوز البیع لتحقق الربا اذا الزیادة لایقابلها عوض فیکون ربا اھ[63] واقرہ فی الفتح والشروح والبحر وردالمحتار وغیرہا و معلوم ان مطلق الکراھة ینصرف الی کراھة التحریم بل قال عبدالحلیم علی الدرر بعد نقل المسئلة واحالة تفصیلها علی الفتح مانصه "اذا عرفت ھذا فما یتداول فی الدولة العثمانیة من بیع قرش واحد بثمانین درھما عثمانیا لم یجز لزیادة القرش ولو کان مع الدراھم نحو فلس جاز مع الکراھة فالواجب علی المحتاط تسویتھما وزنا او یکون قیمة ماکان مع الدراہم قدر قیمة الزیادة حتی یخلص عن عھدة الکراھة[64] اھ فقد صرح	سے بیچا اور ایک طرف کم ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہے جب تو بیع بلا کراہت جائز ہے اور اگر اتنی قیمت کی نہیں تو کراہت کے ساتھ، اور اگر اس کی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی تو اب بیع جائز ہی نہ ہوگی کہ سود موجود ہے اس لئے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی اس کے مقابل دوسری طرف کچھ نہیں تو سود ہوگا انتہی، اور اس کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور رد المحتار وغیرہ میں برقرار رکھا اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ فاضل عبدالحلیم نے حاشیہ درر میں یہ مسئلہ نقل کیا اور اس کی تفصیل کو فتح القدیر پر حوالہ کرکے یوں کہا جب تجھے یہ معلوم ہوچکا تو وہ جو سلطنت عثمانیہ میں رائج ہے کہ ایک ایک قرش اسی روپے عثمانی کو بیچتے ہیں جائز نہیں اس لئے کہ قرش زائد ہے اور اگر روپوں کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے تو احتیاط والے پر واجب ہے کہ ان دونوں کا وزن برابر کرلے یا وہ چیز جو روپوں کے ساتھ ملائی جائے اتنی قیمت کو ہو جس قدر قرش میں روپوں پر زیادتی ہے تاکہ کراہت سے عہدہ برآ ہو انتہی، تو انہوں نے

[63] الھدایة کتاب البیوع باب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[64] حاشیة الدرر لعبد الحلیم

بالوجوب فکان فی خلافه کراھة تحریم وکفی بھا للتأثیم. **قلت:** جئت لك بتقریر الاعتراض بمالو ابدیته من نصك لعلك لم تقدر علی احسن منه الاٰن اسمع الجواب بتوفیق الوھاب عزجلاله **اما اولا:** فلانه این ذھب عنك فرق الخلق والاصطلاح فان مالیة الذھب وکونه اعز من اضعاف وزنه من الفضة امر خلقی لامدخل فیه لفرض احد وتقدیره ففی مقابلة دینار بدرھم ینقدح رجحان المالیة فی کل ذھن بخلاف النوط فان تقدیره بعشرة مثلا انما ھو مجرد اصطلاح من الناس والا فنفس القرطاس لا یساوی درھما ولو عشرة فان نظرت الی الاصل فبیع ماقدر بعشرة ایضا رجحان عظیم فی المالیة وان نظر الی الاصطلاح فاصطلاح غیر حاکم علی العاقدین کما اسمعناك نص الھدایة والفتح فاذا قدره الناس بعشرة وما ھو فی اصله الابفلس مثلًا فما المانع لھما ان یقدراه باثنی عشر فصاعدا اوثمانیة فما دونھما فلا مساس لھٰذه المسألة بما نحن فیه **واما ثانیا:** فلان کلامھم فی مقابلة الجنس بالجنس اذفیه یظھر الفضل الاتری الی قوله

وجوب کی تصریح کردی تو اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور گناہ کے لئے کراہت تحریم کافی ہے، **میں کہوں گا** کہ تیرے لئے میں نے اس اعتراض کی اس طور پر تقریر کردی کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید اس سے بہتر نہ کرسکتا اور اب وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب سن **اولًا:** پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے ذہن سے کدھر جاتا رہا کہ سونے کی مالیت اور اس کا چاندی سے کئی گنا ہونا ایک خلقی بات ہے جس میں کسی کے فرض وقرارداد کو دخل نہیں تو ایک اشرفی ایک روپے سے بدلنے میں مالیت کی زیادتی ہر ذہن میں آجائے گی بخلاف نوٹ کے کہ مثلًا اس کی قیمت دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپیہ کا ہے نہ روپے کے دسویں حصہ کا، تو اگر تو اصل کو دیکھے تو دس کا نوٹ دس کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح بائع ومشتری پر حاکم نہیں جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ وفتح القدیر کا نص سنادیا تو جب لوگوں نے اسے دس کا قرار دے لیا اور وہ اپنی اصل میں مثلًا ایک ہی پیسے کا ہے تو بائع ومشتری کو اس سے کون منع کرتا ہے وہ اسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا ٹھہرالیں تو اس مسئلہ کو ہماری بحث سے کوئی علاقہ نہیں، **ثانیًا:** ان کا کلام اس صورت میں ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو کہ اسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے توکیا تو نے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا

تبایعا فضة بفضة او ذهبا بذهب واحدهما اقل ولم یقل تبایعا فضة بذہب واحدهما اقل مالیة[65] بالسعر المعهود فاذا قوبل الذہب بالذهب المساوی له ظهر الفضل وحینئذ یمیز العقل ان المضاف هل یبلغ مقدار هذاالفضل اولا بخلاف النوط بالدراهم فانهما جنسان مختلفان فانی یظهر الفضل، ومتی یطابق الفرع الاصل قال فی الفتح الربا هو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضة الخالی عن عوض شرط فی العقد، وعلمت ان الخلو فی المعاوضة لا یتحقق الاعند المقابلة بالجنس اھ[66]، وقد قال سیدنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[67]، فهذا اطلاق منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو الشارع والیه المرجع والیه المفزع

جب چاندی چاندی سے یا سونا سونے سے بیچا اور ایک طرف کمی ہے، اور یوں نہ فرمایا کہ سونے چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنی برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر ہو جائیگی اور اس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادت کے قدر کو پہنچتی ہے یا نہیں بخلاف اس کے کہ نوٹ روپوں کو بیچیں کہ وہ دو جنس مختلف ہیں تو زیادتی کدھر سے ظاہر ہوگی اور یہ فرع اس اصل کے کیونکر مطابق آئے گی، فتح القدیر میں فرمایا: ربا وہ زیادتی ہے کہ عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو اور تجھے معلوم ہوگیا کہ عوض سے خالی ہونا اسی وقت متحقق ہوگا جبکہ شے کا اس کے جنس سے مقابلہ کیا جائے انتہی۔ اور بیشک ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔ تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی کی طرف سے اجازت ہے اور حضور ہی صاحب شرع ہیں اور حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور ہی کے یہاں پناہ، تو

[65] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[66] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۵۱

[67] نصب الرایة لاحادیث الهدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیة لصاحبها الریاض ۴/ ۴

فمن حجرہ بعدہ ماسوغہ فیرد علیہ ولا یسمع.

واما ثالثا: فان الکراھۃ فیما اذا لم یبلغ المضموم قیمۃ الفضل انما اثرت عن محمد اما الامام الاعظم والھمام الاقدم وصاحب المذھب الاکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد نص علی عدم الکراھۃ فیہ قال فی الفتح بعد ذکر المسألۃ قیل لمحمد کیف تجدہ فی قلبك قال مثل الجبل ولم ترو الکراھۃ عن ابی حنیفۃ بل صرح فی الایضاح انہ لا باس بہ عند ابی حنیفۃ[68] اھ و سیأتی فی مثلہ عن البحر عن القنیۃ عن البقالی ان عدم الکراھۃ ھو مذھب ابی حنیفۃ وابی یوسف معا رضی اللہ تعالٰی عنھما وفی الھندیۃ قبیل الکفالۃ عن محیط السرخسی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال لو باع الدرہم بالدرہم وفی احدھما فضل من حیث الوزن وفی الاٰخر فلوس جاز ولکن اکرھہ لان الناس یعتادون التعامل بمثل ھذا ویستعملونہ فیما لا یجوز، وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی لا باس بہ لانہ

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی پر رد کردیا جائے گا اور مسموع نہ ہوگا، **ثالثاً** جس حالت میں کم کے ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ پہنچے حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم ہمام اقدم صاحب مذہب اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ اس میں کچھ کراہت نہیں، فتح القدیر میں اس مسئلہ کو ذکر کرکے فرمایا امام محمد سے عرض کی گئی کہ اس کو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا پہاڑ کی طرح گراں، اور امام اعظم سے کراہت مروی نہیں بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی کہ اس میں امام اعظم کے نزدیک کچھ حرج نہیں انتہی۔ اور اس صورت کے مثل میں عنقریب بحر سے بحوالہ قنیہ آتا ہے کہ امام بقالی نے فرمایا کہ اس میں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں کا مذہب ہے اور فتاوٰی عالمگیری میں کفالت سے کچھ پہلے بحوالہ محیط امام سرخسی امام محمد سے ہے کہ اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچا اور ایک وزن میں زیادہ ہے اور کم وزن والے کے ساتھ کچھ پیسے ہیں تو جائز ہے مگر میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ لوگ اس قسم کے معاملے کے عادی ہوجائیں گے پھر ناجائز جگہ بھی یہ کارروائی کرنے لگیں گے اور امام اعظم نے فرمایا اسمیں کچھ حرج نہیں اور اس واسطے کہ اسے یوں

---

[68] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۷۱

امكن تصحيحه بان يجعل الفضل بازاء الفلوس[69] **وبالجملة** النقل عن الامام فاش مستفيض ومعلوم ان العمل والفتوى على قول الامام على الاطلاق الا لضرورة كتعامل بخلافه ونحوه وقد فصلناه فی كتاب النكاح من العطايا النبوية بما لامزيد عليه، **واما رابعا** وهو الطراز المعلم فلان الحق ان هذه الكراهة عــــه ليست الا كراهة تنزيه	صحیح ٹھہرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی پیسوں کے مقابل ہو جائے، **بالجملہ** امام سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور معلوم ہے کہ عمل وفتوٰی ہمیشہ قول امام پر ہے مگر کسی ضرورت سے، جیسے کہ عمل درآمد مسلمانوں کا اس کے خلاف پر ہوگیا ہو، اور ایسی ہی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب النکاح میں ایسی مفصل بیان کی ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں۔ **رابعًا** اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے حق یہ کہ کراہت صرف کراہت تنزیہی ہے کراہت کے

عــــه: **اقول:** محمد وما ادراك ما محمد، محمد سيد مسود محرر المذهب المسدد قال فی الجامع الكبير الذی هو من كتب ظاهر الرواية اذا كانت هذه الدراهم صنوفا مختلفة منها ما ثلثاها فضة ومنها ما ثلثاها صفر ومنها نصفها فضة فلا باس ببيع احدها بالأخر متفاضلا يدا بيد بصرف فضة هذا الى صفر ذلك وبالعكس كما لو باع صفرا وفضة بصفر وفضة ولا يجوز نسيئة لانه يجمعهما الوزن وهما ثمنان فيحرم النسأ واما اذا باع جنسا منها بذلك الجنس متفاضلا

اقول: (میں کہتا ہوں) محمد، اور تو نے کیا جانا کیا محمد، محمد سردار ہیں، سردار کئے گئے، مذہب مستقیم کی تحریر وتلخیص فرمانے والے، وہ جامع کبیر میں (کہ کتب ظاہر الروایۃ میں سے ہے) فرماتے ہیں کہ جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو، کسی میں دو تہائی پیتل، کسی میں آدھوں آدھ چاندی، تو ان میں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے روپے سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو اس لئے کہ اس کی چاندی اس کے پیتل سے بیچنا قرار دیں گے اور اسکی چاندی اس کے پیتل سے جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی، پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے، ہاں ادھار بیچنا روا نہ ہوگا کہ دونوں کو وزن شامل ہے اور دونوں ثمن ہیں تو ادھار حرام ہے۔ رہا ان میں کسی قسم کا روپیہ (باقی برصفحہ آئندہ)

[69] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۱

ولاتغتر بالاطلاق فانھم ربما یطلقون	مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا کہ فقہاء بارہا اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فلو الفضۃ غالبۃ لایجوز لان المغلوب ساقط الاعتبار فکان الکل فضۃ فلا یجوز الامثل بمثل ولو الصفر غالبا اوکانا سواء جاز متفاضلا صرفا للجنس الی خلاف جنسه و یشترط کونه ید ابید [70] نقله فی الفصل السادس من بیوع الذخیرۃ وقال وعلی ھذا قالو اذا باع من العدلیات التی فی زماننا واحد باثنین یجوز یدا بیداھ [71]۔**اقول:** واباحۃ التفاضل یشمل واحدا باثنین و بمائۃ وبالوف فلیکن واحد مما ثلثاہ صفر فی الوزن ثلثۃ ارباع مانصفه فضۃ فیکون ثلثا ذاك و نصف ھذا مساویین فی الوزن وبیع واحد من ذاك بعشرۃ الاٰف من ھذا یدا بید ولا بد من

اسی قسم کے روپوں سے کمی بیشی کو بیچنااس میں اگراس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہے تو گویا وہ نری چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی،اسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کے مقابلہ کریں گے اور دست بدست ہونا ضروری ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ باعیا نہا ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی اسے فتاوٰی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیااور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں ان میں ایک روپیہ دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے انتھی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں)اور جب کمی بیشی روا ہوئی تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچنا ویسے ہی سو،ویسے ہی ہزاروں کو۔اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جس میں دو تہائی پیتل ہے تول میں اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اسکا آدھا تول میں برابر ہونگے اور ان میں کاایک روپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا اور یہ ضرور ہے کہ

(باقی برصفحہ آیندہ)

[70] الجامع الکبیر

[71] فتاوٰی ذخیرۃ کتاب البیوع فصل ششم

ویریدون بہ ماھواعم من التنزیہ والتحریم وربما یطلقون ولا یریدون بہ الا کراھۃ تنزیہ کما لایخفی من عاشر نفائس عرائس کلماتھم ،وقد نصوا علیہ فی غیر موضع قال فی ردالمحتار قبیل باب الشھید ماذکرہ غیرہ(ای غیر الامام الطحطاوی)من کراھۃ الوطء والقعود ای علی القبور الخ یرادبہ کراھۃ التنزیہ عـــہ فی غیر قضاء الحاجۃ وغایۃ	مطلق چھوڑتے ہیں اور اس سے مراد وہ معنی ہوتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں اور بارہا مطلق بولتے ہیں اور اس سے صرف کراہت تنزیہیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اس پر پوشیدہ نہیں جس نے ان کے کلمات کی نفیس دلہنوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہے،اور علماء نے اس معنی کی متعدد مواضع میں تصریح فرمائی ردالمحتار میں باب شہید جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی ہے الخ قضائے حاجت کے سوااور صورتوں میں اس سے کراہت تنزیہ مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صرف الجنس الی خلافہ فکانت عشرۃ اٰلاف من الفضۃ بواحد من الصفر وای ارباء فی المالیۃ تریدا کثر من ھذا وھذا محرر المذہب محمد ناصا علی انہ لاباس فوجب ان لاتکون الکراھۃ ان کانت الا کراھۃ تنزیہ ولا کلام لاحد بعدنص صاحب المذہب فعلیك بہ وباللہ التوفیق ۱۲منہ۔

جنس کو خلاف جنس کے مقابل ٹھہرائیں تو چاندی کے دس ہزار پیتل کے ایک کو بکے اس سے زیادہ مالیت میں اور کیا بیشی چاہتا ہے اور یہ محرر مذہب ہیں کہ صاف فرمارہے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کراہت ہو تو صرف کراہت تنزیہ ہوا اور خود صاحب مذہب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

عـــہ: ھذا ما مال الیہ ھنا فالحق کراھۃ التحریم کما حققہ فی رسالتی "الامر باحترام المقابر" وقد اعترف بہ

عـــہ: یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ (باقی برصفحہ آئندہ)

مافیه اطلاق الکراھة علی مایشمل المعنیین وھذا کثیر فی کلامھم ومنه قولھم مکروھات الصلٰوۃ اھ[72]، بل قال فی الدر المختار فی فصل الاستنجاء تحت قول الماتن یکرہ للمرأۃ امساك صغیر لبول نحو القبلة الخ ھذہ تعم التحریمیة والتنزیة[73] اھ وقال الشامی فی مکروھات الوضوء لیست الکراھة مصروفة الی التحریم مطلقًا[74] اھ.وقال قبله بقلیل تحت قوله و مکروھه ھو ضد المحبوب قد یطلق علی الحرام وعلی المکروہ تحریما وعلی المکروہ تنزیھا ثم نقل عن البحر ان المکروہ فی ھذا الباب نوعان ما کرہ	اس متن میں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم و تنزیہ دونوں کو شامل ہے اور یہ ان کے کلام میں بکثرت ہے اسی باب سے ہے فقہاء کا مکروہات نماز فرمانا انتہی، بلکہ در مختار کی فصل استنجا میں مصنف کے اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا کہ کراہت تحریم و تنزیہ یہ دونوں کو عام ہے انتہی، اور شامی نے مکروہات وضو میں فرمایا کراہت مطلقًا تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی انتہی، اور اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ یہ ہیں یہ فرمایا کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی، اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے اور کبھی مکروہ تحریمی پر اور کبھی مکروہ تنزیہی پر، پھر بحر الرائق سے نقل کیا کہ مکروہ اس باب میں دو قسم ہیں ایک مکروہ تحریمی اور جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ھذا المحقق اعنی الشامی فی کتابه ھذا فی فصل الاستنجاء اذ قال انھم نصوا علی ان المرور فی سکة حادثة فی المقابر حرام اھ[75] منه ۱۲ منه۔

"الامر باحترام المقابر ۱۲۹۸ھ" میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے ۱۲ منہ۔

[72] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[73] درمختار شرح تنویر الابصار فصل الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[74] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۰

[75] ردالمحتار کتاب الطھارۃ فصل فی الاستنجا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۹

تحریما وھو المحمل عند اطلاقھم الکراھۃ والمکروہ تنزیھا وکثیر ا مایطلقونہ کما فی شرح المنیۃ فحینئذ اذا ذکروا مکروھا فلا بد من النظر فی دلیلہ فان کان نھیا ظنیا یحکم بکراھۃ التحریم الا لصارف فان لم یکن نھیا بل مفید اللترک الغیر الجازم نھی تنزیھیۃ[76] اھملخصا۔ قلت: ومن الاخیر قول المتون کالتنویر وغیرہ یکرہ امامۃ عبد[77]،فی الدر تنزیھا[78]،قال ابن عابدین لقولہ فی الاصل امامۃ غیرہم احب الی بحر عن المجتبٰی والمعراج[79] اھ اذا علمت ھذا وجب الفحص عن الدلیل انہ الٰی ای الکراہتین یمیل کما افادہ البحر فی البحر فرأینا ھم یستدلون علی الکراھۃ المذکورۃ بوجھین لایفید شیئ منھما کراھۃ التحریم وانما	وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو اسی پر محمول ہوتی ہے، دوسرا مکروہ تنزیہی اور بکثرت اسے بھی مطلق چھوڑتے ہیں جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور جب بات یہ ہے تو جس وقت فقہاء کسی شیئ کو مکروہ کہیں تو اس کی دلیل پر نظر لازم ہوگی اگر وہ دلیل کوئی ظنی نہی ہے تو کراہت تحریم کا حکم دیں گے مگر کسی اور دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے، اور اگر وہ دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے تو وہ کراہت تنزیہی ہے انتہی ملخصاً، **میں کہتا ہوں** شکل اخیر سے ہے متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت مکروہ ہے، درمختار میں فرمایا تنزیہاً، شامی نے کہا اس کے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے مبسوط میں فرمایا ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے یہ بحر الرائق میں مجتبٰی اور معراج سے ہے انتہی، جب تجھے یہ معلوم ہولیا تو واجب ہوا کہ دلیل تلاش کریں کہ وہ دونوں کراہتوں میں کس طرف جھکتی ہے جیسا کہ دریائے علم نے بحر الرائق میں افادہ فرمایا، اب ہم نے علماء کو دیکھا کہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں اور ان میں کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی ان کی نہایت

[76] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۹

[77] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[78] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[79] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۶

قصارٰهما التنزيه قال فی العناية الکراهة اما لانه احتيال لسقوط الربا فيصير کبيع العينة فی اخذ الزيادة بالحيلة واما لانه يفضی الی ان يالف الناس فيستعملوا ذٰلك فيما لايجوز[80] اھ ونقل فی الفتح عن الايضاح الوجه الثانی ثم قال وهکذا ذکر فی المحيط ايضا ثم قال وقيل انما کرهه لانهما باشرا الحيلة الی اخر مامر[81] فی الوجه الاول، وصاحب العناية بعد ذکر الوجهين عاد فحصر فی الوجه الاول حيث قال الکراهة انما هی للاحتيال لسقوط ربا الفضل[82] اھ وعليه اقتصر فی الکفاية قال انما کره لانه احتيال لسقوط الربا لياخذ الزيادة بالحيلة فيکره کبيع العينه فانه مکروه لهذا اھ[83]، وانت تعلم ان فی الوجه الثانی ترك مالا بأس به حذرا مما به باس فهو مقام الورع وترك الورع لا يوجب کراهة تحريم وقد قال	صرف کراہت تنزیہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا کراہت یا تو اس لئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے تو بیع عینہ کے مثل ہوجائے گا کہ حیلہ کرکے زیادہ لیا اور یا اس لئے ہے کہ لوگ اسکے خوگر ہوجائینگے تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کارروائی کرنے لگیں گے انتہی، فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم نقل فرمائی، پھر فرمایا کہ اسی طرح محیط میں ذکر کیا، پھر فرمایا بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا کہ انہوں نے ایک حیلہ کیا وہی تقریر جو وجہ اول میں گزری اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں ذکر کرکے بالآخر وجہ اول میں حصر کردیا جہاں کہ فرمایا کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس سے زیادت ربا کے دفع کا حیلہ کیا انتہی، اور اس پر کفایہ میں اقتصار فرمایا کہ وہ صرف اس لئے مکروہ ہے کہ وہ رباساقط کرنے کا حیلہ ہے تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے تو مکروہ ہوگا جیسے بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے انتہی، اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑے جس میں خرابی نہیں تو یہ مقام ورع کا ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی

[80] العناية علی ہامش فتح القدير کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۲۔۲۷۱

[81] فتح القدير کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

[82] العناية علی ہامش فتح القدير کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۲

[83] الکفاية مع فتح القدير کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

يفضى الى ان يألفوه فيستعملوه فيما لا يجوز فأفاد ان هذا استعماله فيما يجوز انما كره خشية التجاوز الى ما لا يجوز واما الوجه الاول فابين واظهر فان الاحتيال لسقوط الربا فرار عنه وهو غير ممنوع بل الممنوع الوقوع فيه وقد علم علماؤنا رحمهم الله تعالٰى عدة حيل لتحصيل الفضل من دون حصول الربا وقد عقد لها الامام فقيه النفس قاضى خان فى فتاواه فصلا مستقلا فقال فصل فيما يكون فرارا عن الربا وقال فيه رجل له على رجل عشرة دراہم فاراد ان يجعلها ثلثة عشر الى اجل قالوا يشترى من المديون شيئا بتلك العشرة ويقبض المبيع ثم يبيع من المديون بثلثة عشر الى سنة فيقع التجوز عن الحرام ومثل هذا مروى عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم انه امر بذٰلك[84] اھ۔ومثله فى البحر عن الخلاصة عن النوازل للامام الفقيه ابى الليث رحمه الله تعالٰى ثم قال فى الخانية

اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لیجائے گی کہ اسکے عادی ہوجائیں تو ناجائز جگہ بھی اسے برتنے لگیں تو صاف بتادیا کہ یہ کارروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت فقط اس خوف سے ہوئی کہ بڑھ کر ناجائز تک نہ پہنچ جائیں، رہی پہلی وجہ وہ اور بھی زیادہ واضح وروشن ہے کہ ربا ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے اور بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کے متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو، اور امام فقیہ النفس قاضی خان نے اپنے فتاوٰی میں اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع کی، فرمایا کہ یہ فصل ہے ان باتوں کے بیان میں جو سود سے گریز میں ہیں اور اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ میں دس کے تیرہ کرلوں ایک میعاد تک، علماء نے فرمایا کہ وہ مدیون سے ان دس کے عوض کوئی چیز خریدلے اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا اور اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا انتہی، اور اسی طرح بحرالرائق میں بحوالہ خلاصہ، نوازل امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے۔ پھر خانیہ میں **(دوسرا حیلہ)** یہ فرمایا

---

[84] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

رجل طلب من رجل دراہم لیقرضه بدہ دوازدہ فوضع المستقرض متاعا بین یدی المقرض فیقول للمقرض بعت منك هذا المتاع بمائة درہم فیشتری المقرض ویدفع الیه الدراہم ویأخذ المتاع ثم یقول المستقرض بعنی هذا المتاع بمائة وعشرین فیبیعه لیحصل للمستقرض مائة درہم ویعود الیه متاعه ویجب للمقرض علیه مائة وعشرون درهما والاوثق والاحوط ان یقول المستقرض للمقرض بعد ماقرر المعاملة کل مقالة و شرط کان بیننا فقد ترکته ثم یعقدان بیع المتاع اھ[85]، ثم قال فان کان المتاع للمقرض ولیس للمستقرض شیئ ویرید ان یقرضه عشرة بثلثة عشر الی اجل فان المقرض یبیع من المستقرض سلعة بثلثة عشر ویسلم السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض یبیع السلعة من اجنبی بعشرة	ایک شخص نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے اس طور کہ دینے والے کو دس کے بارہ ملیں تو یوں چاہئے کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی متاع رکھے اور اس سے کہے میں نے یہ متاع تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی قرض دینے والا خرید لے اور روپے اسے دے دے اور متاع پر قبضہ کر لے پھر قرض لینے والا اس سے کہے یہ متاع میرے ہاتھ ایک سو بیس روپے کو بیچ ڈال وہ بیع کردے تاکہ قرض لینے والے کو سو روپے مل جائیں اور اس کی متاع بھی اس کے پاس واپس آئے اور قرض دینے والے کے اس پر ایک سو بیس لازم آئیں اور زیادہ اطمینان واحتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی قرارداد کرکے یوں کہہ دے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط ہمارے آپس میں ٹھہری تھی وہ میں نے چھوڑ دی پھر متاع کی خرید وفروخت کریں انتہی۔ **تیسرا حیلہ** یہ فرمایا کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض لینے والے کے پاس کوئی متاع بھی نہیں اور دینے والا چاہتا ہے کہ دس روپے قرض دے اور کسی میعاد پر تیرہ روپے اس سے وصول کرے تو قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس "۱

[85] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

ویدفع السلعة الی الاجنبی ثم الاجنبیة یبیع السلعة من المقرض بعشرة ویأخذ بعشرة منه ویدفعها الی المستقرض فیبرأ الاجنبی من الثمن الذی کان علیه للمستقرض و تصل السلعة الی المقرض بعشرة و للمقرض علی المستقرض ثلثة عشر الی اجل اھ[86]. ثم قال **وحیلة اخری** ان یبیع المقرض سلعة بثلثة عشر الی اجل معلوم و یدفع السلعة الی المستقرض ثم یبیعه المستقرض من الاجنبی ثم ان المستقرض یقیل البیع مع الاجنبی قبل القبض اوبعدہ ثم یبیعها المستقرض من المقرض بعشرة و یاخذ العشرة فیحصل للمستقرض عشرة وعلیه للمقرض ثلثة عشر وتصل السلعة الی المقرض والمقرض وان صار مشتریا ماباع باقل مماباع قبل الثمن الا ان ذٰلك جائز لتخلل البیع الثانی وھو البیع الذی جری بین المستقرض والاجنبی[87] اھ. ثم قال **وحیلة اخری** ان	روپے کو بیچے اور وہ متاع اس اجنبی کو دے دے وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس کو بیچ ڈالے اور وہ اجنبی اس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو دے دے تو اجنبی پر جو قرض لینے والے کا دین تھا وہ اتر جائے گا اور وہ متاع قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی اور قرض لینے والے پر اس کے تیرہ روپے ایک وعدہ پر لازم ہو جائیں گے انتہی۔ **چوتھا حیلہ** یہ فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے اور اس کے قبضہ میں دے دے اور قرض لینے والا اسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے پھر قرض لینے والا اس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرے خواہ متاع اس کے قبضہ میں دی ہو یا نہ دی ہو پھر قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اسے دس کو بیچے تو قرض لینے والے کو دس روپے ملیں گے اور دینے والے کے اس پر تیرہ لازم ہوں گے اور متاع دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی قرض دینے والے نے اس صورت میں اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز ادائے ثمن سے پہلے جس قدر کو بیچی تھی اس سے کم کو خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے اس واسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی وہ جو قرض لینے والے اور اجنبی میں ہوئی انتہی۔ **پھر ایک حیلہ** یہ فرمایا کہ

[86] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنو ۲/ ۴۰۶
[87] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنو ۲/ ۴۰۷

یبیع المقرض من المستقرض سلعة بثمن مؤجل ویدفع السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض یبیعها من غیرہ باقل مما اشتری ثم ذٰلك الغیر یبیعها من المقرض بما اشتری لتصل السلعة الیه بعینها ویأخذ الثمن ویدفعه الی المستقرض فیصل المستقرض الی القرض ویحصل الربح للمقرض اھ اقول:ھذہ ھی الحیلة الثالثة المارة قال "وھذہ الحیلة ھی العینة التی ذکرھا محمد رحمه اللّٰه تعالٰی و مشایخ بلخ بیع العینة فی زماننا خیر من البیوع التی تجری فی اسواقنا وعن ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی انه قال العینة جائزة ماجورة وقال اجرہ لمکان الفرار من الحرام [88] اھ ثم قال رجل له عشرة دراہم صحاح فاراد ان یبیعها باثنی عشر درهما مکسرة یجوز لانه ربا فان ارادالحیلة یستقرض من المشتری اثنی عشرة درهما مکسرة ثم یقضیه عشرة جیاداثم ان	قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ادھار بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اور کے ہاتھ اتنے سے کم کو بیچے جتنے کو خریدی پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کے ہاتھ اتنے کو بیچے جتنے کو خود خریدی تاکہ وہ متاع بعینہا اسے پہنچ جائے اور اس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور دینے والے کو نفع حاصل ہوجائیگا انتہی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گزر چکا، امام قاضیخان نے فرمایا کہ اس حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ ان بیعوں سے کہ ہمارے بازاروں میں آج کل رائج ہیں بہتر ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عینہ جائز ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے انتہی۔ **پانچواں حیلہ** یہ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس روپے صحیح ہیں وہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ روپے پھوٹے ہوؤں سے بیچے تو جائز نہیں کہ سود ہے پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو یہ چاہئے کہ مشتری سے بارہ روپے پھوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے اس کو ادا کرے پھر وہ

[88] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربا نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

المقرض یبرئه من درهمین فیجوز ذلك اھ[89]. **ثم قال** ولوکان له علی رجل عشرة دراہم مکسرة الی اجل فلما حل الاجل جاء المدیون بتسعة صحاح فقال هذه التسعة بتلك العشرة لایجوز لانه ربا فان اراد الحیلة یأخذ التسعة بالتسعة ویبرئه عن الدرهم الباقی فان خاف المدیون ان لا یبرئه عن الدرهم الباقی یدفع الی صاحب الدین تسعة دراہم صحاحا وفلسا او شیئا یسیرا عوضا من الدرهم الباقی جاز ذلك و یقع الامن[90] اھ وفیها فوائد لاتخفی علیك و سنمر علیها فیما یأتی ان شاء اللہ تعالٰی وکفانا تشبیهه فی الوجه الاول ببیع العینة وقولهم فانه مکروه لهذا او ذلك لانه لایکرہ الاتنزیها فکذا هذا، ولا یهولنك قول محمد انه یجده مثل الجبل[91] فانه قال مثله بل اشد منه فی العینة وماثبت لها الا کراهة

اسے باقی دو روپے معاف کردے تو یہ جائز ہے، **چھٹا حیلہ** یہ فرمایا اگر کسی شخص پر دس روپے پھوٹے ہوئے ایک وعدہ پر آتے تھے جب وعدہ کا وقت آیا مدیون نو روپے کھرے لایا اور کہا کہ ان دس کے بدلے یہ نو ہیں تو یوں جائز نہیں اس لئے کہ سود ہے، تو اگر حیلہ چاہے تو نو کے بدلے نو لے لے اور ایک معاف کردے پھر اگر مدیون کو اندیشہ ہو کہ وہ ایک جو باقی رہا یہ معاف نہ کرے گا تو قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور تھوڑی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دے دے تو اب جائز ہوگا اور وہ اندیشہ جاتا رہے گا انتہی اور اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر پوشیدہ نہ رہیں گے اور آئندہ تقریر میں ان شاء اللہ ہم اوپر گزر کریں گے اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ اول میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور علماء نے فرمایا وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے اور یہ اس لئے کہ بیع عینہ نہیں مگر مکروہ تنزیہی، تو ایسے ہی یہ بھی اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ انہوں نے ایسا ہی کہا بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے اور اس کے لئے

---

[89] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

[90] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

[91] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

التنزیه قال فی ردالمحتار عن الطحطاوی عن ابی یوسف العینة جائزة ماجور من عمل بها کذا فی مختار الفتاوی ہندیة وقال محمد هذاالبیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم اخترعه أکلة الربا وقال علیه الصلٰوۃ والسلام اذا تبایعتم بالعین واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهر علیکم عدوکم .قال فی الفتح ولاکراهة فیه الاخلاف الاولٰی لما فیه من الاعراض من مبرة القرض اھ [92] واقره علیه فی البحر والنهر والدر و الشرنبلالیه و غیرها وقال ایضاً فی فتح القدیر قال ابویوسف لایکره هذا البیع لانه فعله کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وحمدواعلی ذٰلك ولم یعدوه من الربا اھ [93]، **اقول:** قول ابی یوسف فعله کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم مرسل اصولی فانه عندنا مالم یتصل سنده مطلقًا	ثابت نہ ہوئی مگر کراہت تنزیہ، ردالمحتار میں طحطاوی اس میں عالمگیری اس میں مختار الفتوی اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے کہ عینہ جائز ہے اس کے کرنیوالے کو ثواب ملے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اس بیع کی برائی میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سود خوروں نے ایجاد کیا، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو اور بیلوں کی دم کے پیچھے چلو تو ذلیل ہو جاؤگے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ فتح القدیر میں فرمایا عینہ میں کوئی کراہت نہیں سوا خلاف اولٰی کے، اس لئے کہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے انتہی۔ اور اسے بحر الرائق اور نہر الفائق اور درمختار اور شرنبلالیہ وغیرہا نے برقرار رکھا نیز فتح القدیر میں ہے امام ابویوسف نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں اسلئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اسے کیا اور اس کی تعریف کی اور اسے سود نہ ٹھہرایا انتہی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) امام ابویوسف کا فرمانا کہ اسے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کیا، اصول فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس

[92] ردالمحتار کتاب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۴۴
[93] فتح القدیر کتاب الکفالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴

والفرق بین انواعه وتسمیتها مرسلا ومنقطعا و مقطوعا ومعضلا مجرد اصطلاح من المحدثین لافادة مایقع فیه من الصور، اما الحکم فمتحد عندنا وهو القبول اذاکان من ثقة کما حققناه فی کتابنا منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین ۱۳۱۳ھ ونص علیه فی مسلم الثبوت وغیره وای ثقة او ثق ترید من ابی یوسف فاذاصح عن کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم فعله ومدحه لا یعدل عنه لان مذہب امامنا رضی الله تعالٰی عنه تقلیدهم رضی الله تعالٰی عنهم وقد امرنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم باقتدائهم اما الحدیث اذا اتبایعتم بالعینة [94]، رواه احمد و ابوداؤد و البزار وابویعلی و البیهقی عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما قال ابن حجر سنده ضعیف وله عند احمداسناداخر امثل من هذا اھ[95]۔	کی سند متصل نہ ہو اور اس کے اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جداجدا نام مرسل و منقطع و مقطوع و معضل رکھنا یہ محدثین کی نری اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں، رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو مقبول ہے جیساکہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی اور امام ابویوسف سے بڑھ کر تجھے اور کون ساثقہ درکار ہے، توجب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت ہوئی تو اس سے عدول نہ ہوگا اس لیے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقلید ہے اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا، رہی وہ حدیث کہ جب تم بطور عینہ خرید وفروخت کروگے اسے امام احمد وابوداؤد و بزار وابویعلٰی و بیہقی نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا امام ابن حجر نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے اس سے بہتر انتہی۔

[94] سنن ابوداؤد باب فی النہی عن العینہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۸۴، ۴۲

[95] منیران الاعتدال

وفی سندہ ابوعبدالرحمٰن الخراسانی اسحٰق بن اسید الانصاری، قال ابن ابی حاتم لیس بالمشھور وقال ابوحاتم لایشتغل بہ وقال الذھبی جائز الحدیث[96] ثم اعادہ فی الکنی فعد الحدیث من مناکیرہ[97] وقال فی التقریب فیہ ضعف[98] اھ۔وقد رمز الامام السیوطی فی الجامع الصغیر لحسنہ وجاء من طرق کثیرۃ عقد لھا البیھقی بابافی سننہ وبین عللھا۔	اور ابوداؤد کی سند میں ابوعبدالرحمٰن خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں، ابن ابی حاتم نے کہا وہ کچھ ایسے مشہور نہیں، اور ابوحاتم نے کہا ان سے کام نہ رکھا جائے، اور ذہبی نے کہا وہ جائز الحدیث ہیں، پھر کنیتوں میں انہیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو ان کی احادیث منکرہ سے گنا اور تقریب میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے انتہی۔ بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں، اور بیشک امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی اور یہ حدیث بہت سندوں سے آئی جن کیلئے بیہقی نے اپنی سنن میں ایک فصل خاص وضع کی اور ان کی علتیں بیان کیں،
اقول: وظاھر کلام الفتح ان محمدا احتج بھذا الحدیث فاذا ھو صحیح ولا شك لان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما افادہ المحقق حیث اطلق فی التحریر وغیرہ فی غیرہ وعلی کل فلیس فی الحدیث مایدل علی منعہ الاتری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معہ واخذ تم اذناب البقر[99] ای حرثتم	**اقول**: کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو وہ ضرور صحیح ہے اس لئے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور ان کے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا بہر حال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں کیا اس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے کہ جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو

[96] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۷۳۷ اسحاق بن اسید دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۴ و ۴/ ۵۴۷

[97] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۱۰۳۷۸ اسحاق بن اسید دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۵۴۷

[98] تقریب التھذیب ترجمہ ۳۴۲ اسحاق بن اسید دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۷۹

[99] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النھی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴

وزرعتم کما فسرہ بہ فی الفتح قال لانھم حینئذ یترکون الجھاد وتألف النفس الجبن[100] اھ بل ھو فی نفس روایۃ بلفظ اخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع و ترکتم الجھاد[101] الحدیث و معلوم ان الزرع غیر منھی عنہ بل ھو افضل وجوہ الکسب بعد الجھاد عند الجمھور و قیل التجارۃ ثم الزراعۃ ثم الصناعۃ کما فی وجیز الکردری لاجرم لما احتج فی العنایۃ بالحدیث علی ذمہ قال العلامۃ سعدی اُفندی **اقول:** لوصح ذٰلك تکون الزراعۃ مذمومۃ ایضا اھ[102] ولم یعلل الکراھۃ فی الھدایۃ والتبیین و الدرر وغیرہا الابالاعراض عن مبرۃ الاقراض زاد فی الھدایۃ مطاوعۃ لمذموم البخل[103]۔وانت تعلم ان الاعراض عن المبرۃ لاتوجب کراھۃ تحریم	یعنی کھیتی کروزراعت میں پڑو جیسا کہ اس کی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی، فرمایا اس لئے کہ وہ اس وقت جہاد چھوڑ دینگے اور طبیعت نامردی کی عادی ہوجائے گی انتہی بلکہ وہ نفس روایت ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے کہ جب تم بیلوں کی دمیں پکڑو اور کشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد چھوڑ دو آخر حدیث تک، اور معلوم ہے کہ کھیتی منع نہیں بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے، اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت، پھر زراعت، پھر حرفت، جیسا کہ وجیز کردری میں ہے۔ ولہٰذا جبکہ عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے، علامہ سعدی آفندی نے فرمایا کہ **میں کہتا ہوں** اگر یہ دلیل صحیح ہوجائے تو زراعت بھی مذموم ہوجائے گی اور ہدایہ و تبیین و درمختار وغیرہا میں اس کی کراہت کی صرف اتنی دلیل بتائی کہ اس میں قرض دینے کی نیک سلوک سے روگردانی ہے، ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کرکے۔ اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت تحریم کی

[100] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[101] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النھی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴

[102] حاشیہ آفندی بہامش فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[103] الھدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۲۴۔۱۲۳

ولذا قال فی الفتح لاباس فی ھذا فان الاجل قابلہ قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیہ دائما بل ھو مندوب اھ [104] وقال فی العنایۃ الاعراض عن الاقراض لیس بمکروہ والبخل الحاصل من طلب الربح فی التجارات کذالك والالکانت المرابحۃ مکروھۃ [105] اھ. **اقول:** بل لیست التجارۃ الاان تبغوافضلا من ربکم والمماکسۃ فی المبایعۃ مسنونۃ.وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المغبون لامحمود ولا ماجور [106] رواہ اصحاب السنن عن الحسین بن علی والطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی والخطیب عن سید نا علی کرم اللہ تعالٰی وجوھھم الکرام.فغایۃ مافیہ کراھۃ التنزیہ والا فقد صح ان الصحابۃ فعلوہ وحمدوہ و فی حاشیۃ الفاضل عبد الحلیم معاصر العلامۃ الشرنبلالی رحمھما اللہ تعالٰی علی الدرر والمروی عن ابی یوسف انہ قال العینۃ جائزۃ مأجورۃ لمکان الفرار فیھا عن الحرام و	موجب نہیں، لہٰذا فتح القدیر میں فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصہ ہولیا اور آدمی پر واجب نہیں کہ ہمیشہ قرض دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک بات ہے **انتہی**، اور عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے رو گردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا انتہی، اقول: بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور خرید وفروخت میں قیمت کم کرانا سنت ہے، اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نہ ماموری نہ ثواب، یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجوھھم الکرام سے روایت کی تو اس میں انتہا درجہ کراہت تنزیہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہولیا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور تعریف فرمائی اور علامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالٰی حاشیہ درر میں لکھتے ہیں امام ابویوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لئے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام

[104] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴

[105] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۳

[106] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۷۳۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳ /۸۳

الاحتيال للفرار عن الحرام مندوب ولانه فعله كثير من الصحابة و حمدواذلك[107] اھ.وظاهر سياقه ان جملة "والاحتيال للفرار عن الحرام مندوب" من كلام الامام ابى يوسف رحمه الله تعالٰى والله تعالٰى اعلم.هذا احدالدلائل عليه والثانى:تصريحهم قاطبة ان القدر والجنس اذاعدم احدهما حل الفضل و معلوم قطعًا ان الدينار والدرهم او الدينار و الفلس لايتجانسان فيجب الحل فمن اين تأتى كراهة التحريم .وتحقيقه ان للتفاضل اربع صور **الاول**: ان يكون الاكثر مالية هو الاكثر قدرًا و **الثانى**: ان يكون اقل ولكن مالية بعد زائدة بل اضعاف مضاعفة كالجنية مع الربية و **الثالث**: ان يكون اقل الى حد تنقص ماليته ايضا البدل و **الرابع**: ان يقل الى ان يتساوى الماليتان وهم قاطبة قالوا عند اختلاف الجنس حل التفاضل ولم يقيدوه بشيئ من الصور اصلا فيعمها جميعا ولو كانت ثم كراهة تحريم لم تحل الاصورة واحدة من الاربع وهى الرابعة ثم هنا وجه اٰخران يكون جنسان متحدى المالية عند اتحادالقدر وهم قد حكموا بحل التفاضل

سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ بکثرت صحابہ نے اسے کیااور اس کی تعریف فرمائی **انتہی**،اور ان کی روشن عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابویوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے واللہ تعالٰی اعلم،یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے،دلیل دوم: تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس میں کوئی معدوم ہو تو زیادتی حلال ہے اور یقینا معلوم ہے کہ اشرفی اور روپیہ یااشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں تو حلال ہونا واجب ہوا تو کراہت تحریمی کدھر سے آئیگی،اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی کی چار صورتیں ہیں: **اول**: یہ کہ جس کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار زیادہ ہو۔**دوسری**: یہ کہ اسکی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ بلکہ کئی گنابڑھ کر،جیسے روپے کے ساتھ اشرفی۔ **تیسری**: یہ کہ مقدار میں اتنی کم ہو کہ اس کی مالیت بھی اس کے مقابل سے گھٹ جائے،**چوتھی**: یہ کہ اسکی مقدار اس حد تک کم ہو کہ دونوں مالیت میں برابر ہوجائیں،اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ جب جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اسے کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہ کیا تو چاروں صورتوں کو شامل ہوگا اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چاروں صورتوں میں سے صرف ایک حلال ہوتی اور وہ چوتھی صورت ہے پھر یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں مقدار میں برابر ہوں تو ان کی مالیت بھی یکساں ہو اور علماء نے کمی بیشی

وهو يستلزم التفاضل فى المالية فوجب حله.و **الثالث**: قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم[108] .فمن ذالذى يعده معصية و

حلال ہونے کا حکم فرمایا اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو مستلزم ہے تو اس کا حلال ہونا واجب ہوا،دلیل سوم: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاارشاد کہ جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو تو وہ کون ہے جو اسے گناہ اور مکروہ تحریمی

[107] حاشية الدرر لعبد الحليم كتاب البيوع

[108] نصب الراية لاحاديث الهداية كتاب البيوع المكتبة الاسلامية لصاحبها الحاج رياض الشيخ ۴/۴

مکروھا تحریما مع اذن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیہ و[4]الرابع ماقدمنا انفا عن الخانیۃ انہ یدفع فلسا عوضا عن الدرہم فیجوز ذلك ویقع الامن ای امن بعد حصول المعصیۃ،و[5]الخامس: لیس التفاضل بین درہم اودینار اوفلس ودینار مثلا الابالمالیۃ فان کان ذلك موجبا لکراھۃ التحریم لانہ حصل لاحد العاقدین اکثر واربح مما حصل لاٰخر فاربی ھذا علیہ یجب ان یکون مساواۃ الجید والردی وزنا مکروھا تحریما اذااربی الجید علی الرد بمالایتغابن فیہ الناس کأن تکون مالیتہ ضعف مالیتہ او اضعافھا لان موجبھا المذکور حاصل ھٰھنا ایضا قطعا،والشیئ لایتخلف عن موجبہ مع ان المساواۃ ھو المامور بہ شرعا وکذلك مازاد بالصناعۃ حتی صارت	بتائے گا حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی اجازت فرماچکے۔ دلیل چہارم وہ جو ابھی ہم فتاوٰی قاضی خان سے بیان کر آئے کہ روپے کے بدلے ایک پیسہ دے دے تو یہ جائز ہوجائے گا اور امان حاصل ہوگی اور گناہ ہونے کے بعد کون سی امان ہے۔ دلیل پنجم: مثلًا اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی، تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم ہوتی اس بناء پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اس کو اس پر زیادتی رہی تو واجب ہوگا کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو جبکہ کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں جیسے اس کی مالیت اس کی مالیت سے دونی یا کئی گنا ہو اس لئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب یہاں بھی یقینا حاصل ہے اور حکم اپنے موجب سے پیچھے نہیں ہٹتا حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا اسی کا شرع نے حکم دیا ہے اور ایسے ہی وہ جو

قيمته اضعاف قيمة مايساويه وزنا من التبراو الدراہم يكون التساوی فيه موجب لما او جبتم به كراهة التحريم مع انه هو الواجب شرعا فاذن يكون الشرع قد اوجب ماهو معصية فان المكروه تحريما منهی عنه وارتكابه اثم و معصية وان كانت صغيرة كما نص عليه فی البحر والدر وغيرہما وبالاعتاد يصير كبيرة ولا شك ان الشرع متعال عن ان يامر بمعصية و يوجب ارتكاب اثم بخلاف المكروه تنزيها فانه من المباح وليس من المعصية قطعا و ربما يتعمده الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام بيانا للجواز، وقد زلت قدم ذاك اللكنوی فی رسالته فی الدخان فجعل المكروه تنزيها من المعاصی والاصرار عليه من الكبائر وهذه مزلة فاحشة بينت عوارها فی رسالة مستقلة سميتها "جمل مجلية ان المكروه تنزيها ليس بمعصية ۱۳۰ھ" والاعتذار بان الشرع اهدر اعتبار المالية عند اتحاد الجنس لايجدی نفعا فان ذٰلك اول الكلام ان لوكان الاربا فی المالية موجب المعصية فی نظر الشرع فلم اهدر اعتبارها مع مافيه من ابطال مقصد نفسه اعنی الشرع وهو صيانة اموال	صناعی کے سبب بڑھائے یہاں تک کہ اسکی قیمت اس کے ہم وزن پتر یا روپوں سے کئی گنا ہوجائے تو اس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریم کی موجب ہوگی جو تم نے قرار دی ہے حالانکہ وہی شرعًا واجب ہے تو اس وقت یہ ہوگا کہ شرع نے وہ چیز واجب کی جو گناہ ہے اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اس کا کرنا گناہ اگرچہ صغیرہ ہے جیسا کہ بحرالرائق و درمختار وغیرہما نے تصریح کی اور عادت ڈالے سے کبیرہ ہوجائے گا، اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند وبالا ہے کہ معصیت کا حکم دے اور گناہ کرنا واجب کرے بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے ہے اور معصیت میں سے یقینا نہیں، کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسے قصدًا کرتے ہیں کہ اس کا جائز ہونا ظاہر ہوجائے اور انہیں لکھنوی کا حُقّہ کے رسالہ میں قدم پھسلا تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور اس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرادیا اور یہ فاحش غلطی ہے کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں بیان کیا اس کا نام "جمل مجلّیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ ۱۳۰۴ھ" رکھا اور یہ عذر کرنا کہ ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت کا اعتبار ساقط فرمادیا ہے کچھ نفع نہ دے گا اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی تو کیوں اس کا اعتبار ساقط فرمادیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کا باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے لوگوں کا

الناس وانما الاموال بالمالیۃ وفیہ ایصال اکلۃ الربا الٰی قصدھم الفاسد فان غرضھم انما یتعلق بالمالیۃ فاذااربوا فیھا فقد فاز وابمرادھم ولا نظر لھم الی زیادۃ الوزن وقلتہ فتبین ان الاربا فی المالیۃ لانظر الیہ للشرع ولایمکن ان یوجب کراھۃ تحریم اصلا وھو المقصود.و ۲ السادس:طفحت المتون قاطبۃ بجواز بیع فلس بفلسین وقال فی البحر لیس مرادھم خصوص بیع الفلس بالفلسین بل بیان حل التفاضل حتی لوباع فلسا بمائۃ علی التعیین جاز عندھما[109] ای عند الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھما وای نص ترید انص من ھذا علی حل التفاضل بالمالیۃ والحمدللہ.نعم الحل قد یجامع کراھۃ التنزیہ کما نصوا علیہ. ۷ السابع: العینۃ المذکورۃ فانما مبناھا علی التفاضل فی المالیۃ ولا یتقید بنحوعشرۃ باثنی عشر او ثلثۃ عشر کما فی الخانیۃ او خمسۃ عشر کما فی الفتح بل صورت بصورت الضعف ایضا قال فی الفتح من	مال بچانا اورمال کی حقیقت مالیت ہی ہے اور اس میں سود خوروں کو ان کے قصد فاسد تک پہنچانا ہوگا کہ ان کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق ہے جب انہوں نے مالیت زیادہ پالی تو اپنی مراد کو پہنچے اور وزن کی کمی بیشی کی طرف ان کی نظر نہیں تو ظاہر ہوگیا کہ مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ اصلاً کراہت تحریم واجب کرے اور یہی مقصود ہے۔ دلیل ششم: تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بیچنا جائز ہے اور بحرالرائق میں فرمایا کہ ان کی مراد خاص یہی نہیں ہے کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے یہاں تک کہ اگر ایک پیسہ سو معین پیسے کو بیچے تو امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک حلال ہے اور اس سے بڑھ کر تو اس پر اور کون سا روشن تر نص چاہتا ہے کہ مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمدللہ، ہاں حلال ہونا کبھی کراہت تنزیہ کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی۔ دلیل ہفتم: عینہ مذکورہ کہ اسکی بناء ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے، اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے بارہ یا تیرہ کریں جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے یا پندرہ جیسا کہ فتح القدیر میں بلکہ دو نادون کی صورت بھی اس میں بیان کی گئی ہے، فتح القدیر میں فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت

[109] بحرالرائق باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۲

صور العينة ان يبيع متاعه بالفين من المستقرض الى اجل ثم يبعث متوسطا يشتريه لنفسه بالف حالة ويقبضه ثم يبيعه من البائع الاول بالف ثم يحيل المتوسط بائعه على البائع الاول بالثمن الذى عليه وهو الف حالة فيدفعها الى المستقرض ويأخذ منه الفين عند الحلول[110] اھ واذجاز ضعف جازت الاضعاف. **اقول:** ولا يلزم المتوسط بل له ان يبيعه من المستقرض بالفين يبيعه المستقرض فى السوق بالف كيلا تعود العين الى المقرض فيكون مكروها تحريما فى بحث المحقق وان كان فيه للكلام مجال فان شراء ماباع باقل مما باع جائز عند توسط ثالث بالاجماع ولم يذكروا فيه تأثيما وقد تقدم عن فقيه النفس فى حيل الفرار عن الحرام وانى تتم الحيلة مع بقاء المعصية لاجرم قال العلامة عبد الحليم فى حواشى الدرر الظاهر كراهة تنزيه سواء	یہ ہے کہ اپنی متاع قرض لینے والے کے ہاتھ ایک وعدہ پر دو ہزار کو بیچے پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے ہزار نقد کو خرید کر قبضہ کرلے پھر یہ درمیانی شخص پہلے شخص سے اسے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وہ درمیانی اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اتار دے اور وہ ہزار روپے نقد ہیں تو پہلا بائع ہزار روپے قرض لینے والے کو دے دے اور وعدہ پر دو ہزار اس سے لے انتہی، اور جب دو نا جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس درمیانی شخص کا ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ قرض لینے والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے وہ بازار میں ہزار کو بیچ لے تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف عود نہ کرے کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوجائے گی، اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی چیز جتنے کو بیچی ہے اس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے اور علماء نے اس میں کوئی گناہ تحریر نہیں فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خان سے یہ امر اوپر گزر چکا جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے اور اگر معصیت باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہو، لاجرم علامہ عبدالحلیم نے حواشی درر میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے چاہے

[110] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

كان فى صورة عود كل المدفوع او بعضه الى الدافع اولا تدبر[111]، و٨ الثامن: شرطوا الجواز شراء الوصى مال اليتيم لنفسه او بيعه مال نفسه له الخيرية لليتيم و جعلوها فى العقار بالضعف وفى غيرها بمثل ونصف كما فى الخانية والهنديه[112] وشرطوا الجواز بيعه مال اليتيم من اجنبى ان لم تكن للصغيره حاجة الى ثمنه ولا على الميت دين لاوفاء له الابه ان يبيعه بضعف القيمة قال فى الهندية عن محيط السرخسى وعليه الفتوى[113] فهذا تفاضل فى المالية مأموربه من جهة الشرع، و٩ التاسع: ماتقدم عن الفتح وغيره من المعتمدات من قوله لو باع كاغذة بالف يجوز ولايكره[114] و١٠ العاشر: فى باب الربا من ردالمحتار عن الذخيرة اذادفع الحنطة الى خباز جملة واخذ الخبز مفرقا ينبغى ان يبيع صاحب الحنطة خاتما او سكينا من الخباز بالف من من	جو متاع دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کرآئے یا اس کا حصہ یا کچھ نہیں، تدبر، دلیل ہشتم: وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کے جواز کے لئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کا نفع ہو اور اس نفع کی مقدار جائداد غیر منقولہ میں دوچند رکھی اور منقولہ میں ڈیوڑھی، جیسا کہ فتاوٰی قاضی خان اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ میں بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی دین ہو کہ بغیر اس کے بیچے پورا نہ ہو تو اس صورت میں جواز بیع کی یہ شرط لگائی کہ دونی قیمت پر بیچے، ہندیہ میں محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اسی پر فتوٰی ہے تو مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے، دلیل نہم: وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں ــــ دلیل دہم: ردالمحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے جب نانبائی کو گیہوں اکٹھے دے دئے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کرکے لی تو یوں چاہئے کہ گیہوں والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلا ہزار من روٹی

---

[111] حاشية الدرر لعبد الحليم

[112] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فى بيع الاب الوصى الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۶

[113] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فى بيع الاب الوصى الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۶

[114] فتح القدير كتاب الكفالة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

الخبز مثلا[115] الخ واین یقع سکین من الف من من الخبز ونظائر هذا الوسر دنا هالم نستطع احصاء ها و انما تنزلنا بعد السادس الی هنا لان کلامهم فی المضموم الاقل مطلق من ان یکون من الاثمان او الاعیان ومن الاموال الربویة او من غیرها فهذا غایة تحقیق المسألة. اما کلام الشیخ عبدالحلیم **فاقول: اولا:** لیس الوجوب للاحتیاط وجوب الشیئ فی نفسه ولا شك ان ترك مالابأس به حذرا مما به باس من قبیل الاحتیاط فی الدین ولا یحصل ذلك الا بما ذکر فکان من واجباته اذ الواجب للشیئ هو الذی لا تحصل له الابه **وثانیا:** ربما یطلق الواجب عرفا علی المندوب ومنه قول الدر لاباس به ای بالتکبیر عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم[116] اھ ونظرله الشامی فی موضع اٰخر بقولهم حقك واجب علی وفی کتاب	کو بیچے الخ اور بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من روٹی اور اس کے نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں تو ان کا احاطہ نہ کرسکیں گے اور دلیل ششم کے بعد جو ہم یہاں تک اتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء نے فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز ملادی جائے وہ ان کے کلام میں مطلق ہے خواہ ثمن ہو یا متاع اور اموال ربا سے ہو یا نہیں تو یہ تحقیق مسئلہ کی انتہا ہے، رہا فاضل عبدالحلیم رومی کا کلام **اقول: اولاً:** حصول احتیاط کیلئے کسی شیئ کا وجوب اس کا فی نفسہ وجوب نہیں اور شک نہیں کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی نہیں اسے چھوڑنا دین میں احتیاط کے قبیل سے ہے اور یہ اسی طور پر حاصل ہوگا جوانہوں نے ذکر کیا احتیاط کے واجبات سے ہوا کہ کسی شے کے لئے واجب وہی ہے جس کے بغیر شے حاصل نہ ہو، **ثانیاً:** اکثر عرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں اور اسی میں سے ہے درمختار کا یہ قول کہ نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آتا ہے تو ان کی پیروی واجب ہوئی انتہی، اور شامی نے دوسری جگہ اس کی ایک نظیر یہ بیان کی کہ عرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے اور

[115] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۶

[116] درمختار باب العیدین مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

ادب القاضی من الفتح تحت قوله "ویشهد (ای القاضی) الجنازة ویعود المریض" ذکر حدیث البخاری فی الادب المفرد عن ابی ایوب الانصاری رضی الله تعالٰی عنه قال سمعت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول ان للمسلم علی اخیه ست خصال واجبة ان ترك شیئا منها فقد ترك حقا واجبا علیه لاخیه یسلم علیه اذا لقیه ویجیبه اذا دعاه ویشمته اذا عطس ویعوده اذا مرض ویحضره اذا مات وینصحه اذا استنصحه ثم قال ولا بد من حمل الوجوب فیه علی الاعم من الوجوب فی اصطلاح الفقه الحادث فان ظاهره وجوب الابتداء بالسلام وکون الوجوب وجوب عین فی الجنازة فالمراد به امر ثابت علیه اعم من ان یکون ندبا او وجوبا بالاصطلاح اھ[117] ولا بد من الحمل علیه لما اقمنا من الادلة وان ابیت الاحمله علی ظاهره فهذا فهم من الشیخ عبدالحلیم لم یستند فیه	فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں اس قول ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کے پوچھنے کو جائے ادب المفرد میں بخاری کی یہ حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ذکر کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز ترک کرے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑیگا جو اس کے لئے اس پر واجب تھا، ملاقات کے وقت اسے سلام کرے، اور وہ دعوت کرے تو قبول کرے یا وہ پکارے تو جواب دے اور، جب اسے چھینک آئے (اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو یہ اسے "یرحمك الله" کہے، اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جائے، اور اس کی موت میں حاضر ہو، اور اگر اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے۔ پھر محقق نے فرمایا ضرور ہے اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حمل کریں جو وجوب کے اس معنی سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو اصل کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتداء بہ سلام واجب ہو اور نماز جنازہ فرض عین ہو تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی انتہی، اور عبارت عبدالحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب ان دلیلوں کے جو ہم قائم کرچکے اور تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے تو یہ شیخ عبدالحلیم

[117] فتح القدیر کتاب الادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۷۳

لنقل وفهمه غير حجة فی الشرع لاسیما عند قیام البراھین علی خلافه. **وثالثًا:** ان لم یحمل علی ما قلنا یکون کلامه قد ناقض نفسه لانه ذکر بعد ھذا بورقة واقعةً تحدث فی الدولة العثمانیة من تبدیل الدراھم العتیقة المغشوشة الغالبة فیھا الفضة بدراھم جدیدة جیدة و یمنع بظھور ھا التعامل بالعتیقة و من ردائة العتیقة ان الدرھم الکبیر الرومی وھو المسمی بالقرش یکون بمائة وعشرین درھما منھا والدینار بمائتین واربعین فاذا ظھرت الجدیدة ینزل القرش الی ثمانین من الجدیدة والدینار الی مائة وعشرین فیقع بین الناس نزاع کثیر فی دیونھم الواقعة فی زمن العتیقة قال فافتی اسلافنا من ساداتنا علماء قسطنطنیة المحمیّة بتنزیل ثلث الدین فبمقابلة دین مائة وعشرین درھما یعطی المدیون الدائن ثمانین درھما جدیدا او قرشا واحدا وبمقابلة مأتین واربعین دینارا او قرشین الی ان جاء زمن افتاء استاذنا المرحوم اسعد بن سعد الدین فافتی بان یعطی قیمة العتیقة فی زمن العقد من الدینار مثلاً لکل

کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انہوں نے کوئی نقلی سند پیش نہ کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصًا جبکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں۔ **ثالثًا:** اگر اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو ان کا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہوگا، اس لئے کہ انہوں نے اس کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے، پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی غالب ہوتی ہے انہیں نئے کھرے روپے سے بدلتے ہیں اور ان نیوں کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع کردیا جاتا ہے اور پرانوں کا کھوٹا پن یہاں تک ہے کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے قرش کہتے ہیں ان پرانوں کے ایک سو بیس کے برابر ہوتا ہے اور اشرفی دو سو چالیس کے برابر، جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو قرش کی قیمت ان نیوں سے اسی روپے رہ جاتی ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی، تو لوگوں کا وہ لین دین جو پرانے روپیوں کے زمانے میں ہوا تھا اس میں بڑا جھگڑا پڑجاتا ہے تو علمائے محرسہ قسطنطنیہ سے ہمارے اگلوں سرداروں سے یہ فتوی دیا کہ تہائی دین اتاردیں، تو ایک سو بیس پرانے روپے کی جگہ مدیون دائن کو نئے اسی روپے یا ایک قرش دے اور دو سو چالیس پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی یا دو قرش یہاں تک ہمارے استاذ مرحوم اسعد بن سعد الدین کے افتا کا وقت آیا تو انہوں نے یہ فتوی دیا کہ زمانہ عقد میں پرانے روپیوں کی جو قیمت تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں مثلاً ہر

مائتین واربعین درهما یعطی دینارا ولم یجوز اعطاه درهما جیدا ولا قرشا وصرح بان فی المسلك السابق حقیقة الربا او شبهته[118]. ثم قال یقول العبد ان ما افتی به اولاصحیح ایضا مع ان فیه یسرا وتوسیع دائرة لاداء الدین اما صحته فان الدراہم العتیقة لما کانت رائجة کما یروج القرش والدینار من غیر فرق بینهن تقرر ان دین المدیون استقر فی ذمته علی هذا التفصیل وصرف الدین الی ماقدربه فی الاداء من کل نوع ای نوع کان من العتیقة و القرش والدینار کماصرح الفقهاء بهذا فی صورة استواء رواج الاحادی و الثنائی والثلاثی فاذا منع تعاطی العتیقةو القرش والدینار کما صرح الفقهاء بهذا فی صورة استواء رواج الاحادی والثنائی والثلاثی فاذا منع تعاطی العتیقة وظهر الجدیدة ورخص القرش و الدینار بالتنزیل الی ما سبق ذکره نزل الدین کذلك و فیه توسیع دائرة ویسر تام اذ یؤدی المدیون من ای نوع قدر بخلاف ما افتی به ثانیا اذقد لایکون للمدیون دینار وقد لایجد وقد یکون الدین او الباقی غیر بالغ الی قیمة الدینار فیعسر الاداء مع	دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دے اور یہ جائز نہ رکھا کہ اسے نیا روپیہ یا قرش دے اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سود ہے یا اس کا شبہہ۔ پھر شیخ عبدالحلیم نے کہا کہ وہ جو پہلوں نے فتوٰی دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس کے ساتھ اس میں آسانی ہے اور ادائے دین کے دائرہ میں وسعت، اس کی صحت تو اس سبب سے ہے کہ پرانے روپوں کا جب بعینہٖ ایسا ہی چلن تھا جیسے اشرفی اور قرش کا، تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین اسی تفصیل سے ٹھہرا اور دین کا حاصل اس طرف پھیرے گا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے کسی نوع میں سے ہو، پرانے روپے ہوں یا قرش یا اشرفی جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے جب کہ مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو، تو جب پرانوں کا چلن بند کردیا گیا اور نئے چلنے لگے اور قرش اور اشرفی کا بھاؤ اس مقدار پر کہ اوپر مذکور ہوئی اتر گیا دین بھی اتنا ہی اتر جائے گا اور اس میں دائرہ کی وسعت اور پوری آسانی ہے اس لئے کہ مدیون جس نوعیت پر قدرت پائیگا اس میں سے ادا کریگا بخلاف دوسرے فتوٰی کے، اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں ہوتی اور نہ اسے ملتی ہے، اور کبھی کل دین یا باقی اتنا نہیں ہوتا کہ اشرفی کے مقدار کو پہنچے تو اداد شوار

[118] حاشیة الدرر لعبدالحلیم

ان الاثمان الرائجة فی زمن العقد سوی العتیقة باقیة علی رواجها ولیس فیها کساد ولا منع سوی الترخیص بالنسبة الی الجیدة فمن این التکلیف للمدیون باداء الدین بالدینار فقط فظهر ان ماافتی به اولا صحیح علی وجه الیسر لا عسر فیه نعم لو سلم وجدان الربا اما حقیقة او حکما فی الاداء بالجدیدة او بالقرش بان لا مساواة بینهما وزنا اولا یعلم فانه یدفع بضم نحو فلس الی الجدیدة او القرش کما لایخفی [119] اھ ملخصًا، والمسئلة مذکورة فی الدر وغیرہ واختار العلائی ماافتی به سعدی افندی و هو الالزام بالذهب ومال ابن عابدین الی نحو ماامال الیه عبدالحلیم وحاصله اولا منع ان اللازم علی ذمة المدیون عین العتیقة حتی یکون الاداء بالجدیدة او القرش مع عدم مساواتها للعتیقة وزنًا ربا بل الازم تلك المالیة المقدرة بای الثلثة شاء فاذا کسد منها واحد جاز الاداء عن احد الباقین	ہوگی حالانکہ جو ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپیوں کے سوا بدستور رائج ہیں ان کا نہ چلن گھٹانہ منع کیا گیا سوا اس کے کہ نئے روپیوں سے ان کا بھاؤ سستا ہوگیا تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دین ادا کرے تو ظاہر ہوا کہ وہ جو پہلا فتوی تھا صحیح اور آسان ہے اس میں کچھ دشواری نہیں، ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً ربا ہے یا حکمًا یوں کہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں تو وہ یوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلًا ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں انتہی ملخصًا، اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے اور صاحب درمختار نے اسی کو اختیار کیا جو سعدی آفندی کا فتوی ہے کہ مدیون پر سونے ہی سے ادا کرنا واجب ہے اور علامہ شامی نے اس طرف میل کیا جس طرف شیخ عبدالحلیم کی رائے جھکی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہی نہیں مانتے کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا واجب تھے تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنا جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہوں ربا ٹھہرے بلکہ اتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تینوں سکوں میں سے جس سے چاہے کرلے تو جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے

[119] حاشیة الدرر لعبدالحلیم

قلت وبه ظهر ان تعبير هم بتنزيل ثلث الدين مسامحة نظرا الىٰ ظاہر التغير فى عدد الدراہم حيث يعطى من الجديدة ثمانين مكان مائة وعشرين والافلا تنزيل فى المالية اصلا و ثانيا ان سلم لزوم العتيقة عينا فيدفع بضم نحو فلس الى الجديدة اوالقرش وقد افتى هو به الناس و جعله يسرا تاما من دون عسر اتاما من دون عسر واى يسر بعد حصول كراهة التحريم فاذن لا محيد عما ذكرنا وبالله التوفيق وبالجملة ماكانت امثال هذه الشبهات لتذكر و تسطر لو لا ما فى جوابها من فوائد تظهر و تزهر ،**اقول:**وبه تبين والحمدلله ان ليس فيه اعنى فى بيع دينار بدرهم بل فلس فضلا عن بيع نوط عشرة باثنٰى عشر شبهة ربا ايضا فضلا عن الربا خلافا لما زعم اللكنوى اذ الشبهة فى المحرمات ملحقة باليقين كما نص عليه فى الهداية وغيرہا فلو كانت لو جبت الحرمة فضلا عن كراهة التحريم وقد قامت الادلة ان لا كراهة تحريم ههنا فضلا عن الحرمة فظهر ان لا ربا و لا شبهة هذا و انما جل

چاہے ادا کردے **اقول:** یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان کا یہ فرمانا کہ تہائی دین اتار دیا جائے مسامحہ ہے روپیوں کی گنتی می جو ظاہر تغیر ہو اس پر نظر فرما کر ایسا کہا کہ ایک سو بیس کی جگہ نئے اسی دے گا ورنہ مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا، دوسرے یہ کہ اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے تو سودیوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپیوں یا قرش کے ساتھ مثلاً! ایک پیسہ ملا کردے اور فاضل عبدالحلیم نے لوگوں کو اس کا فتوی دیا ور اسے پوری آسانی بلا دشواری بتایا اور کراہت تحریم ہونے کے بعد کون سی آسانی ہے تو وہ معنی جو ہم نے ذکر کئے ان سے مفر نہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے بالجملہ ایسے شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ ان کے جوابوں سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے، **اقول:** الحمدللہ اس تقریر سے روشن ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسہ کو بیچنے میں ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہیں برخلاف اس کے جو لکھنؤی نے زعم کیا اس لئے کہ حرام چیزوں میں شبہہ بھی حکم یقین میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں منصوص ہے تو اگر یہاں شبہہ ہوتا تو حرمت واجب ہوتی چہ جائے کراہت تحریم، اور دلائل قائم ہوچکے کہ یہاں کراہت تحریم بھی نہیں چہ جائے حرمت، توظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ، یہ تو لیجئے اور آگے سنئے

مایتشبث بہ ھذا المانع ان النوط عــــہ	ان منع کرنے والے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ

عــــہ: بل زعم ذاك اللکنوی ان من باع نوطا معلما برقم مائة مثلا فانما یرید بیع مائة ربیة واخذ بدلھا لا بدل النوط، **اقول: اولا** لوکان الامر کما زعمت لماصح بیع النوط بالربابی اصلا لانه اذن بیع مائة درھم افرنجی بمائة درھم افرنجی وھی لاتتفاوت فیما بینھما بشیئ فکان الاستبدال عبثا والشرع لایشرع العبث فی الاشباہ العقود تعتمد صحتھا الفائدة فما لم یفد لم یصح فلا یصح بیع درھم بدرھم اذا تساویا وزناو صفة کما فی الذخیرة[120] اھ **وثانیا** قم یوما عن اریکتك واذھب الی البیاعین فاذا رأیت زیدا باع نوطا من عمرو فاسأله ھل قلت له بعتك مائة ربیة فسیقول لا وانما قلت بعتك ھذا النوط، فاسأله ھل اردت ان تستبدل مائة ربیة لك بمائة ربیة لعمرو فسیقول لاوانما اردت استبدال

عــــہ: بلکہ اس مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپے بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) **اولًا:** اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپیوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلًا جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو روپے انگریزی سو روپے انگریزی کو بیچنا ہوا اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے تو یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہوا اور شرع عبث کو مشروع نہیں فرماتی، اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہو جو محض بے فائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں تو ایک روپیہ ایک روپے کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن وحالت میں برابر ہوں جیسا کہ ذخیرہ میں ہے **انتھی**، **ثانیًا:** مولوی صاحب ذرا اپنی مسند سے اٹھ کر کسی دن بازار جائیے جب دیکھئے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پوچھئے کیا تو نے اس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے وہ ابھی ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا، اب اس سے پوچھئے کیا تو نے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپیوں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

[120] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۲۵

مغرق فی الربابی کانہ ھی من دون فرق	روپوں میں غرق ہے گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اور کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نوطی بربابیۃ فاسأله هل اخذت ثمن ربابیك فیسقول لابل ثمن نوطی فاسأله هل تنقد له مائة ربیة من کیسك فسیقول لابل اعطیه نوطی فعند ذلك یتمیز لك النهار من اللیل، **وثالثًا**: لیتك تعرف المبیع من المعدوم فان البائع ربما لاتکون عنده الربابی بل ولاربیة واحدة وبیع المعدوم باطل وقد نهی عنه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم. **ورابعًا**: من احتاج الی النوط لیرسله فی البوسطة فان ارساله فیها ایسر واقل مصروفا فباعه زید نوطه ثم اراده ان یعطیه مائة ربیة لایقبله المشتری ویقول انما اشتریت منك النوط وقد کانت الربابی عندی فما کان یحوجنی الی شرائها منك وعند ذلك تعرف

بدلے، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ اپنا نوٹ اس کے روپیوں سے بدلنا چاہا، اب اس سے پوچھئے کیا تو نے اپنے روپیوں کی قیمت لی وہ ابھی جواب دیگا نہ، بلکہ اپنے نوٹ کی۔ اب اس سے پوچھئے کیا تو اپنی تھیلی میں سے سو روپے اسے دے گا، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ بلکہ اسے اپنا نوٹ دوں گا اس وقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے، **ثالثًا**: کاش آپ کو مبیع و معدوم کا فرق معلوم ہوتا اس لئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک نہیں ہوتا تو اگر اسے سو روپے بیچنا مقصود ہوتے تو معدوم کی بیع کر رہا ہے، اور معدوم کی بیع باطل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ **رابعًا**: جسے ڈاک میں بھیجنے سے آسان بھی ہے اور خرچ بھی کم ہے اس کے ہاتھ جبکہ زید نوٹ بیچے اور پھر نوٹ نہ دے بلکہ اس کی جگہ سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا اور اس سے کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود میرے پاس موجود تھے مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت تھی اس وقت آپ کو معلوم (باقی اگلے صفحہ پر)

ولذا لایفرقون بینهما فی الاخذ والاعطاء	فرق نہیں اسی واسطے لوگ معاملات میں روپے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان نسبة ذٰلك القصد الیهم فریة علیهم. **وخامسًا:** بائع النوط اذا قبض دراہم الثمن واراد ردها یعد هذا عندهم اقالة البیع لاتسلیما للمبدل وهذا کله واضح جلی علی من یعرف الشمال من الیمین فسبحٰن الله من مبیع لم یعقد علیه ولا قصد الیه ولا نقد منه بل ان نقد لم یقبل ولم یعد نقد المبدل بل ربما لایکون عند من باع فهل سمعت بمثله مبیعا فی الدنیا ولا عقد ولا نقد ولا قصد ولا وجد ولکن قلة الفهم و التدبر یأتی بعجائب نسأل الله العفو والعافیة، وبه علم بطلان ماقصد به التفرقة بین الفلوس و النوط بأن من اشتری شیئا بربیة او استقرض ربیة واراد ان یعطی بدلها فلوس ربیة فالدائن والبائع بالخیار فی قبولها و

ہو جائیگا کہ نوٹ بیچنے میں ان کا یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں ان پر افتراء ہے۔ **خامسًا:** نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لے کر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ ان کے نزدیک بیع کا فسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن وظاہر ہیں جسے دہنے بائیں میں تمیز ہو تو سبحان اللہ وہ سو روپے جو بیچنے ٹھہرائے عجب مبیع ہیں کہ نہ ان پر خرید و فروخت کا لفظ واقع ہو، نہ ان کے لینے دینے کا ارادہ ہوا، نہ بائع نے وہ دئے بلکہ وہ دے تو خریدار لے نہیں اور مبیع کا دینا نہ ٹھہرے بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں تو دنیا میں ایسی کوئی مبیع سنی ہے کہ بک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود، مگر ہے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت مانگتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر ایک روپیہ کے عوض کوئی چیز خریدے یا روپیہ کسی سے قرض لے اور بوقت ادا پیسے ایک روپیہ کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے لے یا (باقی اگلے صفحہ پر)

فی المعاملات فاذن کانها عشر ربابی بیعت باثنی عشرة ربیة وهو ربا قطعا فهذاان لم یکن ربا فبشبهه یلتحق به ویحرم۔**اقول**:وباللّٰه التوفیق هذا اردء واخنع ولا غرو اذ القوس فی ید غیر باریها قد علم کل من ترعرع عن الصبا ولو قلیلا ان الاثمان الاصطلاحیة انما تقدر بالحقیقة بل النقود کلها لها تقدیر بالدراهم دنانیر کانت او غیرها ولا بدلها من نسبة الی الربابی فجنیه بخمسة عشر وقطعة صغیرة بثمن ربیة واخری بالربع واخری بالنصف و ست عشر انة بربیة و النوط الفلان بعشرة والفلان بمائة هکذا واذا استوت رواجاومالیة فاهل العرف لایفرقون	اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے تو گویا وہ یوں ہوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے اور وہ بلاشک ربا ہے تو یہ اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہو کر حرام ہو جائے گا۔**اقول**:وباللّٰه التوفیق (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت) یہ شبہہ تو اور بھی ردی اور بھونڈا ہے مگر کوئی تعجب نہیں کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں کے لئے روپیوں سے اندازہ ہے خواہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انہیں کچھ نہ کچھ روپیوں سے نسبت ضرور ہو گی تو ایک ساورن پندرہ روپے کی اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی اور اٹھنی آدھا اور ایک روپے کے سولہ آنے اور فلاں نوٹ دس روپے کا فلاں سو کا، وعلٰی ھذا القیاس، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
لا یجبره علیه القاضی بخلاف النوط و من این له ادعاء هذا ومن قال به وسیأتیك و تحقیق الامر بعد اسطر و باللّٰه التوفیق اھ منه۔

نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے، اور یہ ادعا انہوں نے کہاں سے نکالا اور کون اس کا قائل ہے اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر میں جو حق ہے اس کا بیان آتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲منہ۔

بینھما فی الاخذ والاعطاء فی معاملا تھم فمن شری ثوبا بجنیۃ افرنجی وادی خمس عشر ربیۃ او بالعکس لا یعد ھذا تبدیلا ولا تحویلا ولاینکرہ البائع ولا غیرہ وکذا القطعۃ الصغیرۃ وثمانیۃ فلوسا افرنجیۃ لا یفرقون بینھما فی اخذ ولاعطاء وکذا ربع الربیۃ وستۃ عشر فلسا ومن اشتری شیئا بنصف ربیۃ فاما ان یودی النصف بعینہ اوربیع ربیۃ او رابعۃ اثمانہ او ربع وثمنین او ربعا وثمنا و ثمانیۃ فلوس او ثلثۃ اثمان وثمانیۃ فلوس او ربعا وستۃ عشر فلسا او ثمنا واربع وعشرین فلسا اوالکل بالفلوس اثنین و ثلثین فلسا الصور عــــہ التسع جمیعا سواء عندھم و لا یفرقون بینھا اصلا لا ستوائھاجمیعا فی المالیۃ و الرواج ولیس ھذا فی العرف فقط بل الشرع ایضا خیر المشتری ان یؤدی ایھا شاء ولو امتنع البائع من قبول بعضھا و اراد الزام المشتری باحدالوجوہ کان تعنتامنہ ولم یقبل۔قال ابن عابدین	ان کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے تو جو کوئی کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور دے پندرہ روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیل کہے گا نہ قرارداد کا پھیرنا اور نہ اس سے بائع انکار کرے گا نہ کوئی اور، یونہی دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی ان کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا،، یونہی چونی اور سولہ پیسے اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کو خریدی وہ یا تو خود اٹھنی دے یا دو۲ چونیاں یا چار دوانیاں یا ایک چوانی اور دو دوانیاں یا ایک چوانی اور ایک دوانی اور آٹھ پیسے یا ایک چوانی اور سولہ پیسے یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس ۳۲ پیسے، یہ نوکی نو صورتیں سب ان کے نزدیک برابر ہیں اور ان میں اصلاً فرق نہیں کرتے اس لئے کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہیں اور یہ کچھ عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اختیار دیا کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے ادا کرے اور اگر بیچنے والا ان میں سے کسی صورت کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے بیجاہٹ ہوگی اور مانی نہ جائے گی۔ تنویر الابصار میں جو

عــــہ: والان اذقد راج تفریق جدید یسمی اُنۃ صح اداء نصف ربیۃ بستۃ وثلثین وجھا والکل سواء کما لا یخفی اھ منہ۔

عــــہ: اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی ہے جسے اکنی کہتے ہیں تو اٹھنی کے دام چھتیس طرح ادا ہوسکتے ہیں اور سب برابر ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۱۲ منہ۔

تحت قول المتن ینصرف مطلقه(ای مطلق الثمن) الی غالب نقد البلد وان اختلف النقود مالیة فسد العقد مع الاستواء فی رواجها[121] مانصه اما اذا اختلف رواجا مع اختلاف مالیتها او بدونه فیصح وینصرف الی الاروج وکذا یصح لو استوت مالیة ورواجا لکن یخیر المشتری بین ان یؤدی ایهما شاء،ومثل فی الهدایة مسئلة الاستواء فی المالیة والرواج بالثنائی و الثلاثی واعترضه الشراح بان مالیة الثلثة اکثر من الاثنین واجاب فی البحر بان المراد بالثنائی ماقطعتان منه بدرهم وبالثلاثی ماثلثة منه بدرهم. قلت وحاصله انه اذا اشتری بدرهم فله دفع درهم کامل او درهم مکسر قطعتین او ثلثة حیث تساوی الکل فی المالیة والرواج،ومثله فی زماننا الذهب یکون کاملا ونصفین واربعة ارباع وکلها سواء فی المالیة والرواج ومنه یعلم حکم ماتعورف فی زماننا	فرمایا کہ مطلق ثمن شہر کے اس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا چلن زیادہ ہو اور اگر وہ سکے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائیگا اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن ایک سانہ ہو مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد صحیح رہے گا اور جس کا چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہریگا یونہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں جب بھی عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے،اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی اور شارحوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے،اور بحر الرائق میں جواب دیا کہ ثنائی سے وہ مراد ہے جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں،اور ثلاثی وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں، میں کہتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کو خریدی تو چاہے ایک روپیہ پورا دے چاہے دو اٹھنیاں چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں۔اسی طرح اشرفی ہمارے زمانے میں پوری اور دو نصف اور چار پاؤلی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں،اور اسی سے معلوم ہوگیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے زمانے میں

[121] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷

من الشراء بالقروش فان القرش فی الاصل قطعة مضروبة من الفضة تقوم باربعین قطعة من القطع المصریة المسماۃ فی مصر نصفا ثم ان انواع العلمة المضروبة فی امر تقوم بالقروش فمنها مایساوی عشرة قروش ومنها اقل ومنها اکثر فاذا اشتری بمائة قرش فالعادۃ انه یدفع ماارادامامن القروش اوممایساویهامن بقیة انواع العلمة من ریال اوذهب ولا یفهم احدان الشراء وقع بنفس القطعة المسماۃ قرشًا بل هی او مایساویهامن انواع العملة متساویة فی الرواج المختلفة فی المالیة ولا یردان صورة الاختلاف فی المالیة مع التساوی فی الرواج هی صورة الفساد لانه هنالم یحصل اختلاف مالیة الثمن حیث قدر بالقروش و انما یحصل الاختلاف اذالم یقدربها کمالواشتری بمائة ذهب وکان الذهب انواعا کلها رائجة مع اختلاف مالیتها فقدصار التقدیر بالقروش فی حکم ما اذا استوت فی المالیة والرواج وقد مر ان المشتری یخیر فی دفع ایهما شاء۔قال فی البحر فلو طلب البائع احدهما للمشتری دفع غیره لان امتناع

شائع کی ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے لئے سب کی قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے تو ان میں کوئی دس قرش کا کوئی کم کا کوئی زیادہ کا، تو جب کوئی چیز سو قرش کو خریدی تو عادت یہ ہے کہ وہ جو چاہے دے خواہ قرش ہی دے دیا اور سکے جو مالیت میں اس کے برابر ہوں ریال یا گنی، اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے پر واقع ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے بلکہ قرش یا اور سکوں سے جو مالیت سے مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اتنا کہ اس کی مالیت کے برابر ہو جائیں اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد عقد کی صورت ہے اسلئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا جب کہ ا سکا اندازہ قرشوں سے کیا گیا، ہاں اختلاف جب ہوتا کہ ان سے اندازہ نہ کرتے جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں، چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف، اور جب قرشوں سے اندازہ کرلیا یہ ایسا ہوگیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں، اور اوپر گزرچکا کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جو چاہے دے۔ بحر الرائق میں فرمایا اگر بائع ان میں سے ایک سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے اس لئے کہ جو

البائع من قبول مادفعه المشتری ولا فضل تعنت اھ(ملخصًا)[122] وھذا کله واضح جلی وای تسویة وعدم تفرقة اعظم من ان یشتری المشتری بالقروش ثم یخیران یؤدی منھا او من الریال او من الذھب الکامل اومن التفاریق وان لم یقبل البائع کان متعنتا ومع ھذا لا یتوھم عاقل ان القروش والریال والجنیة والتفاریق کلھا صارت جنسا واحدالایحل فیھا التفاضل اوان بعضھا مغرق فی بعض کانه ھو من دون فرق فالتفاضل ان لم یکن ربا فبشبھه یلحق به ویحرم مع نصھم قاطبة اجمعین ان عند اختلاف الجنس یحل التفاضل بل مع قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[123]، وقد قدمنا تحقیق مسئلة دینار بدرھم وان لیس ربا و لاشبھة ربا بمالا مزید علیه فاذا کان ھذا فی القروش والریال

مشتری دے رہا ہے اس کے لینے سے بائع کا انکار بے جاہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت نہیں انتھی۔ اور یہ سب ظاہر روشن باتیں ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے کہ مشتری خریدے تو قرشوں کو، پھر اسے اختیار دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے سونے کا پورا سکہ یا اس کی ریزگاری، اور بائع نہ مانے تو بے جاہٹ ٹھہرے، بایں ہمہ کوئی یہ وہم نہیں کرسکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور ریزگاری سب کے سب ایک جنس ہوگئے ان میں سے ایک دوسرے کو بیچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو یا ان میں ایک دوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہ بلافرق دونوں ایک ہیں تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہو کر حرام ہوجائے حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح فرمارہے ہیں کہ اختلاف جنس کے وقت کمی بیشی جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب نوعیں بدلیں تو جیسے چاہو بیچو، اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق کہ ایک روپے کو ایک اشرفی میں بیچنے میں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ، اوپر اس طرح بیان کی جس سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال

[122] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۶

[123] نصب الرایة لاحادیث الھدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیه، ریاض ۴/۴

والجنية والتفاريق مع ان كلها اثمان خلقية وكلها تشملها احدى علتى الربا وهو الوزن فما ظنك بالنوط مع الربابى مع ان النوط ليس الا ثمنا مصطلحا ولا تقدير ماليته الا بالاصطلاح الغير اللازم على العاقدين ولا يشمله شيئ من علة الربا لا الجنس ولا القدر فالحكم ھٰهنا لايتأتى الامن احد ثلثة رفع عنهم القلم صبى ونائم ومجنون، نسأل الله العفو و العافية هو تحقيق الجواب فى هذا الباب وارجو ان لا عطر بعد عروس ولكن ياھٰذا ان ابيت الاما تيت من ان النوط مغرق فى الربابى كانه هى فانا اسئلك أبهذاالاغراق وعدم الافتراق صارالنوط حقيقة دراهم فضة او حكما بان اجرى الشرع فى مبادلته بالدراهم ماهو حكم مبادلة الدراهم بالدراهم كما قلت كانها عشر ربابى بيعت باثنى عشر اولا ولا، على الثالث ماهذه الشقاشق الفارغة عن منشاء و معنى وعلى الاولين يعود الرباعليك انت اذا بعت نوط عشرة بعشرة وذٰلك لان حكم الدراهم بالدراهم لم يكن فى الشرع التساوى فى

اور اشرفی اور ریزگاری میں ہوا حالانکہ وہ سب کے سب خلقۃً ثمن ہیں اور ان سب میں ربا کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے تو روپیوں کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے اور اس کا مالیت کا اندازہ بھی ایک اصطلاح ہے جس کی پابندی بائع مشتری پر لازم نہیں اور اس میں ربا کی دو علتوں میں سے کوئی نہیں، نہ جنس نہ قدر، تو یہاں ناجوازی کا حکم تین ہی شخصوں میں سے کوئی کرسکے گا جن پر سے قلم شرع اٹھالیا گیا ہے، بچہ اور سوتا اور دیوانہ۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں، اس باب میں یہی تحقیق جواب ہے اور امید کرتا ہوں کہ دولھا کے بعد عطر نہیں ولیکن اے شخص! اگر تو کچھ نہ مانے سوا اپنی اسی بات کے کہ نوٹ روپیوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا وہ روپے کا عین ہے تو اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہوا یا حکمًا بایں معنی کہ روپیوں سے نوٹ کی بیع میں شرع نے وہی حکم جاری فرمایا جو روپیوں سے روپیوں کی بیع میں ہے جیسا کہ تونے کہا تھا کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے گئے یا حقیقۃً یا حکمًا کسی طرح نہیں، تیسری تقدیر پر یہ کیا بے منشا و معنی لفاظیاں ہیں اور پہلی دونوں صورتوں میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا جب کہ دس کا نوٹ دس کو بیچے اس لئے کہ روپیوں سے روپے کی بیع میں شرع کا حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں

المالیۃ لاجماع الامۃ ان الجید والردی ھٰھنا سواء وانما کان الحکم التساوی فی القدر فیجب علیك ان تضع النوط فی کفۃ والفضۃ من تفریق درھم اوغیرہ فی الکفۃ الاخری فلا تبیعہ الابما ساواہ وزنا ولا یکون ذٰلك الاقطعۃ صغیرۃ او قطعتین فان زدت علیہ شیئا فقد اکلت الربا واحللت الربا وان زعمت ان الحکم الساری الی النوط من الربابی لاجل ھذا الاغراق وعدم الافتراق ھو التساوی فی المالیۃ فھذا جھل منك عظیم یساوی ھزلا ویتساوك ھزلا فان التسویۃ فی المالیۃ لم یکن حکم الربابی نفسھا فکیف یسری منھا الٰی شبھھا مالیس فیھا علا ان النوط ان اتحد مع الربابی حقیقۃ او حکما لایتحد مع الذھب لامتناع الاتحاد بین نوعین متباینین فاذن ان بیع نوط عشرۃ باثنی عشرۃ جنیھا لایلزم فیہ مالزم ثمہ لعدم الاتحاد فی الجنس حقیقۃ ولا حکما فحینئذ یرجع مآل فتواك الی ان من باع نوط عشرۃ باثنتی عشرۃ ربیۃ فھذا حرام لانہ حصل فضلا بلا عوض وان باعہ باثنی عشر جنیھا فھذا لاحرج علیہ لانہ لم یحصل فضلا یعتد بہ

برابر ہوں، تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا برابر ہے بلکہ حکم تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو تو تجھ پر واجب ہے کہ ایک پلہ میں نوٹ رکھے اور دوسرے پلہ میں روپے کی ریزگاری یا اور کوئی چاندی بس اتنے ہی کو اسے بیچے جتنی چاندی وزن میں نوٹ کے برابر ہو اور یہ دوانی یا چوانی بھر سے زائد نہ ہوگی اور اگر اس پر کچھ زیادہ لے تو تو نے سود کھایا اور سود حلال کیا اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی طرف آیا وہ یہ ہے کہ مالیت میں برابر کرلو تو یہ تیرہ بڑا جہل ہے جو ٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور دبلے پن سے لچک لچک ہو رہا ہے کہ مالیت میں برابر کرنا خود روپیوں کا حکم نہ تھا تو روپیوں سے ان کے مشابہ نوٹ کی طرف وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا جو خود ان میں نہیں، علاوہ بریں اگر نوٹ روپیوں کے ساتھ حقیقۃً یا حکمًا متحد ہو بھی جائے تو سونے کے ساتھ متحد نہ ہوگا کہ دو متباین نوعیں متحد نہیں ہو سکتیں تو اس تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفی کو بیچا جائے تو وہ حرج لازم نہ آئے گا جو بارہ روپے سے بیچنے میں تھا کہ یہاں نہ جنس حقیقۃً ایک ہے نہ حکمًا اب تیرے فتوٰی کا انجام یہ ٹھہرے گا کہ دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اسلئے کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی اور اگر بارہ اشرفی کو بیچے تو کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار

فسبحٰن اللہ من ھذہ الفتوی مادقھا نظراو احقھا رعایۃ لمقصد الشرع الشریف من تحریم الربا وھو صیانۃ اموال الناس ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و بالجملۃ کلام ھذا لامانع لایرجع الی اصل شرعی ولا برھان وما ھو الاکلمۃ ھو قائلھا ما انزل اللہ بھا من سلطٰن والحمدللہ وعلیہ التکلان وھو المستعان۔

واما الثانی عشر

فاقول: نعم یجوز اذا قصدا البیع حقیقۃ دون القرض و ذلك لان البیع جائز والتفاضل جائز والتاجیل جائز کما حققنا کل ذٰلك وما التنجیم الانوع من التاجیل نعم ان اقرض نوط عشرۃ و شرط ان یرد المستقرض اثنتی عشرۃ ربیۃ او احدی عشرۃ او عشرۃ وقطعۃ مثلاحالا اوما لامنجما او غیر منجم فھذا حرام وربا قطعالانہ قرض جرنفعا وقد قال سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[124]، رواہ

کیا جائے تو سبحان اللہ اس فتوی کا کیا کہنا، کس قدر اس کی نظر دقیق ہے اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کے جو مقصد تھا یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اس نے اس کی رعایت کی ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، خلاصہ یہ ہے کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب، وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری، سب خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد کی طلب۔

جواب سوال دوازدہم

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں نہ کہ قرض کا اس لئے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدت معین پر ادھار جائز، جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کرآئے اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے، ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس، اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا، اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔ یہ حدیث

[124] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم الله تعالٰی وجهه بخلاف ما اذااقرض ولم یشترط شیئا من الزیادة ولا کانت معهودة من تعاملهما لان المعروف کالمشروط ثم ان المستقرض اوفاه وزاد من عند نفسه تکرما زیادة ممتازة منحازة کیلا تکون هبة مشاع فیما یقسم فهذا جائز لابأس به بل هو من باب "هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ﴿۶۰﴾"[125] و قد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم للوزان فی ثمن سراویل اشتراها زن وارجح[126] وکذااذا تقاضاه المقرض فلم یکن عنده النوط اولم یرد رده فوقع الصلح علی اثنتی عشرة ربیة عوضا عن النوط الذی فی ذمته وقبضت الدراہم فی المجلس کیلا یکون افتراقا عن دین بدین فهذا ایضا جائز بالاتفاق ان کان النوط الذی استقرضه مستهلکا وعند الطرفین مطلقًا	حارث بن ابی اسامہ نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی بخلاف اس کے جبکہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ان کے اگلے عمل درآمد سے زیادہ لینا معروف تھا (کیونکہ جو معروف ہے وہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کیا اور اپنی طرف سے احسانًا کچھ ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابل تقسیم شے میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے) تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا بدلہ کیا ہے سوا احسان کے۔ اور بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو ایک پاجامہ خریدا (اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی) تولنے والے سے فرمایا کہ تول اور زیادہ دے، یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا اور قرض خواہ نے اس سے تقاضا کیا اس کے پاس ویسا نوٹ نہ تھا یا اس نے نوٹ دینا نہ چاہا عوض میں روپے دینے چاہے دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی اور اسی جلسے میں روپے ادا کردئے (تاکہ عاقدین یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی جائز ہے پھر اگر وہ نوٹ جو اس نے لیا تھا اس کے پاس نہ رہا جب تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر نوٹ اس کے پاس موجود ہے مگر خاص اس

[125] القرآن الکریم ۵۵ /۶۰

[126] سنن النسائی کتاب البیوع المکتبة السلفیه لاہور ۲/ ۲۱۷، جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۶

وان کان باقیا عندہ اذالم یورد العقد علیه،نعم ان کان موجودا واشتراہ بعینه باثنی عشر او بعشرۃ او بماشاء فھذا باطل لایجوز عندھما خلافا لابی یوسف رضی ﷲ تعالٰی عنھم لانه قد مبلکه بالاستقراض فکیف یشتری ملك نفسه من غیرہ فی وجیز الکردری اذاکان له علی اٰخر طعام وفلوس فاشتراہ من علیه بدراہم وتفرقا قبل قبض الدراہم بطل و ھذا مما یحفظ[127] اھـ وفی ردالمحتار عن الذخیرۃ اشتری من المقرض الکر الذی له علیه بمائة دینار جاز لانه دین علیه لابعقد صرف و لاسلم فان کان مستھلکا وقت الشراء فالجواز قول الکل لانه ملکه بالاستھلاك وعلیه مثله فی ذمته بلا خلاف وان کان قائما فکذلك عندھما وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لایجوز لانه لایملکه مالم یستھبلکه فلم یجب مثله	نوٹ کو روپیوں سے نہ خریدا بلکہ ذمہ پر قرض تھا اسے خریدا تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہٖ اسی کو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہے اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم اسے جائز کہتے ہیں، باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ نوٹ قرض لیا تو قرض لیتے ہی اس کا مالک ہوگیا تو خود اپنی مملوک چیز کو دوسرے سے کیونکر خریدے گا، وجیز کردری میں ہے جب اس کا کسی پر غلہ یا پیسے آتے ہوں مدیون نے وہ دین اس سے روپیوں کو خرید لیا اور روپیوں پر قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو یہ بیع باطل ہوگئی اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا یاد رکھنا لازم ہے انتہی، اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے قرض دینے والے کا جو غلہ اس پر آتا تھا وہ اس نے اس سے سو اشرفی کو خرید لیا جائز ہے کہ یہ دین اس پر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم سے، پھر اگر وہ غلہ خریداری کے وقت خرچ ہوچکا تھا جب تو سب کے نزدیک جواز ہے اس لئے کہ وہ خرچ کردینے سے بالاتفاق اس کا مالک ہوگیا اور اس کے ذمہ پر اتنا غلہ واجب رہا اور اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم وامام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہے اور امام ابویوسف کے قول پر چاہئے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک

[127] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ٦

فی ذمته فاذا اضاف الشراء الی الکر الذی فی ذمته فقد اضافه الی معدوم فلا یجوز[128] اھ وفیه عنها استقرض من رجل کرا وقبضه ثم اشتری ذلك الکر بعینه من المقرض لایجوز علی قولهما لانه مبلکه بنفس القبض فیصیر مشتریا ملك نفسه اما علی قول ابی یوسف فالکر باق علی ملك المقرض فیصیر المستقرض مشتریا ملك غیره فیصح[129] اھ. اما الاحتیال لدفع الربا فقد اسمعناك فیه مایکفی ویشفی وقد تقدم قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی ان العینة جائزة ما جور من عمل بها قال واجره لمکان الفرار من الحرام[130] اھ وتقدم قوله ان الصحابة فعلوا ذلك وحمدوه[131] وتقدم قول الخانیة ان مثل هذا	جب تک خرچ نہ کرلے اس کا مالک نہ ہوگا تو اس غلہ کا مثل اس کے ذمہ پر واجب نہیں، اب جو یہ کہا کہ وہ غلہ جو میرے ذمہ ہے میں نے خریدا تو معدوم چیز خریدی للذا ناجائز ہوا انتہی، نیز ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کسی سے ایک پیمانہ غلہ قرض لے کر قبضہ کرلیا پھر بعینہٖ وہی غلہ قرض دینے والے سے خریدا امام اعظم اور امام محمد کے قول پر جائز نہیں کہ وہ تو قبضہ کرتے ہی اس غلہ کا خود مالک ہوگیا تو اب اپنی ملک دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہے، ہاں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر وہ غلہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے تو یوں ہوگا کہ پرائی ملک اس سے خریدی تو صحیح ہوگی انتہی، رہا دفع ربا کے لئے حیلہ کرنا اس میں ہم تجھے وہ کچھ سنا چکے جو کافی وشافی ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گزرچکا کہ عینہ جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا فرمایا اس میں ثواب اس وجہ سے ہے کہ حرام سے بھاگنا ہے انتہی، اور ان کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ اور فتاوٰی قاضی خان کا قول گزرا کہ اس کا مثل

[128] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

[129] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

[130] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

[131] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

مروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ امر بذٰلك اھ [132] فمن بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ وفی البحر عن القنیۃ لاباس بالبیوع التی یفعلہا الناس للتحرز عن الربا ثم رقم اُخر ھی مکروھۃ ذکر البقالی الکراھۃ من محمد وعندھما لاباس بہ قال الزرنجری خلاف محمد فی العقد بعد القرض اما اذا باع ثم دفع الدراہم لاباس بالاتفاق [133] اھ وکذلك حکی الاجماع الامام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یکن البیع مشروطا فی القرض فاذا ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعلیمہ وصح عن الصحابۃ فعلہ وتمدیحہ واجمع ائمتنا علی جوازہ فای محل بقی للارتیاب واللہ الھادی الصواب، **اقول**: ثم ھذا ایضا فی اجتماع البیع والقرض بان یقرضہ دراہم ویبیعہ شیئا یسیرا	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے اس کا حکم دیا انتہی، تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد اور کون ہے، اور بحر الرائق میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعین جو لوگ ربا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کچھ حرج نہیں پھر ایک اور عالم کے نام کی رمز لکھی کہ انہوں نے کہا مکروہ ہے، امام بقالی نے ان کی کراہت امام محمد سے روایت کی اور امام اعظم اور امام ابویوسف کے نزدیک ان میں کچھ حرج نہیں، امام شمس الدین زرنجری نے فرمایا امام محمد کے خلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر ایسی بیع کرے اور اگر بیع کردی پھر روپے دئے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہی، اور اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اس کے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگا لی ہو، تو جب کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی تعلیم ثابت اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت اور ہمارے اماموں کا اسکے جواز پر اجماع قائم، تو اب شک کی کون سی جگہ باقی رہی اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں یوں کہ اسے کچھ روپے قرض دے اور

[132] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

[133] بحر الرائق کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۲۶

بثمن کثیر فیقبلہ لحاجة القرض ففی ھذا ان تقدم القرض قیل کرہ البیع لانہ قرض جر نفعا وان تقدم البیع لم یکن بہ باس اتفاقا لانہ بیع جر قرضا کما افادہ الامام شمس الائمة الحلوانی وبہ افتی کما فی ردالمحتار اما ما نحن فیہ من مسألة النوط فبیع خالص لاقرض فیہ اصلا لا بدأ ولا عودا فذا اولی واحری ان یحل بالاتفاق من دون نزاع ولا شقاق وان شئت الزیادة فی امر الحیل فھذا ربنا تبارک وتعالٰی قائلا لعبدہ ایوب علیہ الصلوٰة والسلام "خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّہٖ وَلَا تَحْنَثْ"[134] وھذا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد علم المخلص من الربا وطریق الوصول الی المرام مع التحرز عن الحرام روی الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال جاء بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتمر برنی	تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اس کے ہاتھ بیچے تو حاجت قرض کے سبب اسے قبول کرے گا تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا اس لئے کہ یہ وہ قرض ہوا جس نے ایک منفعت کھینچی اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا نفع لائی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا اور اسی پر فتوٰی دیا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور وہ مسئلہ جس میں ہم بحث کررہے ہیں یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے اس میں قرض اصلاً نہیں، نہ ابتدا میں نہ بعد کو، تو اس کا بالاتفاق بلاخلاف و بلا نزاع جائز ہونا زیادہ لائق و مناسب ہے، اور اگر تو مسئلہ حیلہ، میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک وتعالٰی اپنے بندہ ایوب علیہ الصلوٰة والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ انہوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود حاصل ہوجائے اور حرام سے محافظت رہے تعلیم فرمایا اسے بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس خرمائے برنی

[134] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۴

فقال له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من این هذا، قال بلال کان عندنا تمر ردی فبعت منه صاعین بصاع فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اوہ عین الربا عین الربا لا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتربه [135] وایضا لهما عنه وعن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنهما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب فقال له رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اکل تمر خیبر هکذا قال لا واللہ یارسول انا لناخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلٰث فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا [136]۔ **اقول:** اما کراهة من کرہ کمحمد فانما کان کما تقدم عن الفتح والایضاح	لائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لئے، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم نے اس کے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع خرید ا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اف خاص ربا ہے خاص ربا ہے ایسا نہ کر۔ مگر جب ان کو خریدنا چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس شیئ کے بدلے ان کو خریدو نیز بخاری و مسلم نے ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل صوبہ کرکے بھیجا وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب لے کر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہیں، عرض کی نہیں خدا کی قسم یارسول اللہ! ہم اس میں ایک صاع دو صاع کو، دو صاع تین صاع کو لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو اپنے چھوہارے روپیوں سے بیچ کر روپیوں سے یہ چھوہارے خریدلو۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے امام محمد ان کا سمجھنا تو صرف اس بنا پر تھا جیسا کہ فتح القدیر و

[135] صحیح البخاری کتاب الوکالة باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۱، صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲٦

[136] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا ارادبیع تمر بتمر خیر منه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۳، صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲٦

والمحیط کی لایألفه الناس فیقعوا فی المحظور وفی زماننا قد انعکست الامور وفشا الربا فی اھل الھند جھارا لایستحیون منه کانھم لایعدونه عیبا ولا عارا فمن نزلھم عن ھذا البلاء العظیم والکبیرة الشدیدة الی بعض ھذا الحیل الجائزة کبیع نوط عشرة باثنتی عشرة منجما وغیر ذلك مما تقدم عن الامام فقیه النفس فلا شك انه ناصح للمسلمین وما الدین الا النصح لکل مسلم وھم ان جاھروا بالمعاصی فالاسلام باق بعد وللّٰه الحمد. فاذا سمعوا ما یصلون به المرام مع النجاة عن الحرام فما لھم ان لایتوبوا فانھم غیر معاندین للشرع والاسلام، وقد قال مشایخ بلخ منھم محمد بن سلمة للتجار ان العینة التی جاءت فی الحدیث خیر من بیاعاتکم قال المحقق حیث اطلق وھو صحیح فلا شك ان البیع الفاسد بحکم الغصب المحرم فاین ھو من بیع العینة الصحیح المختلف فی کراھته[137] اھ اما زعم الزاعم انه ان لم ینه عنه فما الفرق بینه وبین الربا مع حصول الفضل

الایضاح و محیط سے گزرا کہ لوگ اس کے خوگر ہو کر ناجائز بات میں نہ پڑیں اور ہمارے زمانے میں معاملہ الٹا ہوگیا اور ہندوستان میں سود علانیہ شائع ہوگیا کہ اس سے شرماتے نہیں، گویا وہ ان کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ عار، تو جو ان کو اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے ان جائز حیلوں میں کسی کی طرف اتار لائے جیسے دس کا نوٹ قسط بندی کرکے بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس قاضی خاں سے گزرے تو کچھ شبہہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور دین نام نہیں مگر ہر مسلمان کی خیر خواہی کا، اور لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کررہے ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے وللہ الحمد، تو جب وہ ایسی بات سنیں جس سے اپنی مراد پائیں اور حرام سے بچیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں کہ ان کو شریعت اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں اور بیشک مشایخ بلخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے فرمایا وہ عینہ جس کا ذکر حدیث میں ہے تمہاری ان بیعوں سے بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا یہ ٹھیک بات ہے اس لئے کہ بلاشبہہ بیع فاسد غصب حرام کے حکم میں ہے تو کہاں وہ اور کہاں بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اس کی کراہت میں بھی اختلاف انتہی رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ ہو تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی

[137] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

فیهما اقول: هذا اعتراض اورده المشرکون وقد تکفل الجواب عنه ربنا تبارك وتعالٰی فی القراٰن العظیم، "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ" [138]، الم یر المعترض انا انما احللنا الربح فی بیع جنسین متخالفین فان حرم هذا لانسد باب البیاعات ولا حول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم انتهی الجواب بتوفیق الوهاب والحمدللّٰه اولًا واٰخرًا وباطنًا و ظاهرًا وسمیته "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم ۱۳۲۴ھ" لیکون العلم علما علی عام التالیف، وقد ابتدأ فیه العبد الضعیف یوم السبت ثم عاودتنی الحمی یوم الاحد فانهیته ضحی یوم الاثنین لسبع بقین من المحرم الحرام ۱۳۲۴ھ وذلك فی بلد اللّٰه الحرام باقتراح الفاضل الصفی الوفی امام المقام الحنفی مولانا الشیخ عبداللّٰه بن شیخ الخطباء و سید الائمة العظماء العالم العامل الفاضل الکامل الزاهد الورع التقی النقی مجمع الفضائل و منبع الفواضل حضرة الشیخ احمد ابی الخیر حفظهما اللّٰه تعالٰی عن

دونوں میں حاصل ہوئی۔**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب العزۃ تبارک وتعالٰی نے قرآن عظیم میں اس کا جواب دیا، کافر بولے بیع بھی تو ایسے ہی ہے جیسے ربا، اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود، کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا جہاں دو جنسوں کی بیع ہو تو اگر یہ حرام ہو تو خرید وفروخت کا دروازہ ہی بند ہوجائے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں وعیاں، اور میں نے اس کا نام "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" رکھا تاکہ نام سال تصنیف کی علامت ہو اور بندہ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا تو پیر کے دن پہروں چڑھے میں نے اسے تمام کیا، محرم شریف کی تئیس تاریخ ۱۳۲۴ھ اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے (مکہ معظّمہ) میں ہوئی ان کی خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی کے امام ہیں مولانا شیخ عبداللہ ان کے صاحبزادہ جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں یعنی عالم باعمل، فاضل کامل، زاہد، متورع، متقی، پاکیزہ، مجمع فضائل ومنبع فواضل حضرت شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالٰی ہر ضرر سے ان دونوں کا نگہبان ہو

[138] القرآن الکریم ۲/۲۷۵

کل ضیر ورزقهما من کل خیر و غفرلنا ذنوبنا وستر عیوبنا وخفف اثقالنا ووحقق اٰمالنا ورزقنا العود بعد العود الی ھذا البیت الکریم وبیت الحبیب الرؤف الرحیم علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوۃ والتسلیم بقبوله ورضاہ حتی یجعل اٰخر ذٰلك موتنا علی الایمان فی المدینة المنورة والدفن بالبقیع والفوز بشفاعة الشفیع الرفیع صلی اللّٰه تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وصحبه وبارك وکرم اٰمین والحمد للّٰه رب العٰلمین۔ کتبــــــــــــــه عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم	اور ہر بھلائی سے ان کو حصہ دے اور ہمارے گناہ بخشے اور ہماری عیب چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری کرے اور ہمیں بار بار اس عزت والے گھر اور مزار نبی رؤف رحیم علی آلہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کی طرف اپنے قبول و رضا کے ساتھ عَود کرنا نصیب فرمائے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے، اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام بھیجے اور ان کی آل واصحاب پر اور اپنی برکت و تکریم ان پر اتارے، آمین، والحمد للّٰہ رب العالمین۔ کتبــــــــــــــه عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم